خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ

فیصل آباد پاکستان

مِلّیّہ

ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ بمطابق فروری 2015ء

کلمۃ الحبیب

دینی مدارس پر ابتلاء

ابن نفیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

* مجالس سید الطائفہ قطب العالم قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
* تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں — ابن نفیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی
* پرہیزگار وہ ہی جو حقوق کی ادئیگی کرتے ہوں
* مساجد
* مناجات ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ
* منقبت حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ
* خواتین کے صفحات — خادمۃ القرآن
* حضرت علی رضی اللہ عنہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن نفیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

www.milliafsd.com

قُطبَین

قُطبِ آفاق ، آں شہِ عبدالرحیم
جانِ جاناں ، حامِلِ خُلقِ عظیم

پاک طینت ، صاحبِ قلبِ سلیم
روحِ وَحے ، ہمرازِ قرآنِ حکیم

اللہ اللہ ، خانقاہِ رائپور
بے گماں ، بُرجِ صراطِ مستقیم

ایں تجلّی گاہِ عبدالقادر است
بزمِ مہر و ماہِ عبدالقادر است

"قُطبِ ارشاد" از رہِ صدق و صَفا
مُرشدِ ما شاہِ عبدالقادر است

نفیس الحسینی

۲۳ رجب ۱۴۲۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

خانقاہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

الملّیہ

فیصل آباد پاکستان

ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ

شمارہ نمبر 4 جلد نمبر 11

بمطابق فروری 2015ء

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے

فہرست مضامین

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

امیر ثانی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

بیاد

مولانا انیس الرحمن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن نفیس حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی صاحب

خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر

مولانا حماد الرحمن لدھیانوی

نائب مدیر

مولانا جواد الرحمن لدھیانوی

فی شمارہ 30 روپے

پاکستان میں سالانہ 300 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 45 امریکی ڈالر

رابطہ کیلئے

ماہنامہ ملّیہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد پاکستان

041-8711569, 0321-6611910

ناشر: حبیب الرحمن لدھیانوی

مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

کلمۃ الحبیب

دینی مدارس پر ابتلاء

ابن نفیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

پشاور کے خوں چکاں واقعہ کے بعد تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے مشترکہ طور پر دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کرنے کا نہ صرف عہد کیا بلکہ اس پر عمل کے لئے حکومت وقت کا ساتھ دینے کا اعلان بھی کردیا۔ جس کی وجہ سے پوری قوم ایک پلیٹ فارم پر متحد نظر آئی، اور ساتھ ہی فوجی عدالتوں کے قیام پر بھی اتفاق کیا گیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ اس سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے لئے آئین میں ترمیم کی ضرورت تھی، چنانچہ اس پر بھی طوعاً وکرہاً اتفاق ہوگیا۔ مگر ہوا یہ کہ جب اس کے لئے آئین میں ترمیم کرنے کا وقت آیا تو تمام سیکولر قوتوں نے کوشش کر کے اس آپریشن کا رُخ دینی حلقوں کی طرف کردیا۔ اور دہشت گردی کا تعلق خالصتاً مذہب کے ساتھ جوڑ دیا۔ اور دہشت گردی کے مراکز دینی مدارس کو قرار دیدیا گیا۔ چانچہ ہماری پولیس اور خفیہ ایجنسیوں نے مدارس کا رُخ کرلیا۔ اور اب دن رات دینی مدارس اور دینی مراکز ہمارے سیکورٹی اداروں کے رحم وکرم پر ہیں، اور انہیں ہراساں کرنے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ جبکہ اس سلسلہ میں ابھی تک ہماری حکومت کی طرف سے باقاعدہ کسی لائحۂ عمل کا اعلان بھی نہیں کیا گیا۔ ہماری پولیس اور ایجنسیوں کی مثال تو ایسے ہے۔ ہمارے والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ تقسیم ہند سے قبل لدھیانہ محلّہ کا ایک نوجوان لاپتہ ہوگیا۔ گھر والے پریشان ہو گئے، وہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے پاس آئے، اور اپنی پریشانی بیان کی رئیس الاحرارؒ نے اپنے طور پر بہت کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح اس نوجوان کا پتہ چل جائے، مگر پتہ نہ چل سکا۔ دو تین دن کے بعد اچانک وہ نواجون گھر پہنچ گیا۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے، اس کے جسم پر زخموں کے نشان

تھے۔رئیس الاحرارؒ نے اس نوجوان سے اس کی کہانی پوچھی۔اس نوجون نے بتایا کہ میں گھر سے کسی کام کے سلسلہ میں شہر کی طرف جانے کے لئے تانگے پر سوار ہوگیا۔کچھ دیر چلنے کے بعد تانگہ ایک دکان پر ٹھہر گیا۔کوچوان نے دکان دار سے پوچھا کہ ''بم'' بن گیا ہے؟ دوکان دار نے جواب دیا کہ شام تک تیار ہو جائے گا۔یہ جواب سن کر تانگے والے نے تانگہ آگے بڑھادیا۔تانگے کی سواریوں میں کوئی خفیہ مخبر بیٹھا تھا۔اس نے اپنی ایجنسی کو جا کر خبر دی کہ ''بم بن رہا ہے'' رات کو میں کسی کام سے گھر باہر سے نکلا تو اچانک مجھے کچھ لوگوں نے پکڑ لیا اور کسی نامعلوم مقام پر لے گئے۔وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہ لوگ حکومت کی کسی خفیہ ایجنسی کے ہیں۔مجھ سے پوچھنے لگ گئے کہ بم کا کیا معاملہ ہے، تمہیں اس کے بارے میں کیا معلوم ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے کیا معلوم، میں تو تانگے کی ایک سواری تھا، تانگے والے کوچوان کو ہی معلوم ہوگا۔اسی طرح تانگے کی باقی دو اور سواریوں کو بھی لے آئے، سب سے ایک ہی سوال تھا، سب نے ایک ہی جواب دیا۔مگر پولیس والے نہ مانے ،اور سب پر تشدد کرنا شروع کر دیا، ہمارے پاس بم کے سلسلہ میں واقعی کوئی معلومات نہ تھیں۔تشدد سہتے رہے۔دو دن کے بعد کوچوان کو بھی پکڑ لائے۔اس پر بھی تشدد شروع کر دیا گیا، اُسے نہیں معلوم تھا کہ اُسے کیوں پکڑ کے لائے ہیں۔جب اس سے پوچھا گیا کہ بم والا قصہ کیا ہے؟ تو تانگے والا ہنس پڑا، کہنے لگا کہ تانگے میں آس پاس جو دو بانس لگے ہوتے ہیں، جن کے ساتھ گھوڑے کو باندھا جاتا ہے، اُسے ''بم'' کہا جاتا ہے۔میرے تانگے کا ایک بم خراب ہوگیا تھا، نیا بنانے کے لئے میں نے دکان دار سے کہا ہوا تھا، وہی معلوم کرنے کے لئے میں نے دکاندار سے پوچھا تھا۔پہلے تو پولیس والوں نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا، اس کی کافی مرمت کر ڈالی۔پھر جب حقیقت معلوم ہوئی تو ہمیں چھوڑ دیا گیا۔

ہمارے ایک مہربان مولوی صاحب تھے، جو کہ اب فوت ہو چکے ہیں، وہ نیویارک امریکہ میں کسی مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔نائن الیون کے بعد وہاں کی پولیس نے مساجد کی نگرانی شروع کر دی، مساجد میں جا کر مساجد والوں خصوصاً اماموں کی سرگرمیاں معلوم کرتے۔وہ فرماتے تھے کہ ایک دن شام کو پولیس والے ہماری مسجد میں بھی آ گئے۔اس وقت میں بچوں کو ابتدائی نورانی قاعدہ اور ناظرہ قرآن پڑھا رہا تھا۔قسمت کی بات کہ اس وقت میں ایک بچے کو میں قاعدہ پڑھا رہا تھا، تو پولیس والے نے مجھے پوچھا کہ کیا پڑھا رہے ہو؟ میرے منہ سے نکل گیا کہ قاعدہ پڑھا رہا ہوں

،میرا یہ کہنا تھا کہ پولیس والے میں ایک دم غصہ آ گیا۔ میرا ہاتھ پکڑا کر مجھے کھینچ کر مسجد سے باہر لے آیا اور پولیس وین میں مجھے بٹھا دیا۔ میں حیران و پریشان ہوگیا۔ پولیس والے آپس میں باتیں کرنے لگے،اور پھرانہوں نے وائرلیس پر کہیں رابطہ کیا، کچھ ہی دیر بعد ایک بڑی گاڑی آئی مجھے اس میں بٹھا دیا گیا۔ میں سمجھ گیا کہ مجھے گرفتار کرلیا گیا ،مگر مجھے میرا جرم نہیں بتایا گیا۔ اتنے میں سامنے سے چند دکاندار جو کہ مسجد میں نماز پڑھتے تھے، وہ آ گئے۔ انہوں نے پولیس والوں سے میرے متعلق دریافت کیا۔ تو پولیس نے انہیں بتایا کہ اس مولوی کا تعلق القاعدہ سے ہے۔ وہ بے چارے نمازی بھی پریشاہ ہوگئے۔ ان میں سے ایک نمازی پولیس سے اجازت لے کر میرے پاس آیا،اور مجھ سے کہا کہ پولیس والے کہتے ہیں کہ تمہارا تعلق القاعدہ سے ہے، یہ کیا قصہ ہے، میں پولیس کی ذہانت اور پُھرتی کو سمجھ گیا۔ میں نے اس نمازی سے کہا کہ اور تو کوئی بات نہیں ، یہ لوگ مسجد میں آئے تو میں بچوں کو نوارنی قاعدہ پڑھا رہا تھا،انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا پڑھا رہے ہو؟ میں نے جواب میں کہا کہ میں قاعدہ پڑھا رہا ہوں ،میرں یہ بات سن کر مجھے پکڑ کر یہاں بٹھا دیا ہے۔ وہ نمازی میری بات کی تہہ تک پہنچ گیا،اس نے چند اور نمازیوں کو ساتھ ملا کر پولیس والوں کو سمجھایا کہ لفظ قاعدہ سے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ کچھ دیر بحث کے بعد مجھے چھوڑ دیا گیا۔

نیویارک میں یونائیٹڈ بنک آف پاکستان کی ایک برانچ بھی تھی۔ اس کا ایک ملازم بنک سے باہر کسی کام سے نکلا تو اسے پولیس نے پکڑ لیا۔ اور کہ تمہارا تعلق اُسامہ بن لادن سے ہے۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیسے ،انہوں نے اس کے سینے پر لگے بیج کی طرف اشارہ کیا کہ تمارے بیج پر U B L لکھا ہوا ہے۔ یہ اُسامہ بن لادن کا مخفف ہے۔ اس پر بنک والوں نے انہیں سمجھایا کہ یہ ہمارے بنک یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ کا مخفف ہے، پھر جا کر کہیں اس بے چارے کی جان چھوٹی۔

اب ہمارے ملک میں بھی یہی کچھ ہونا شروع ہو چکا ہے۔ مختلف مدارس میں خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار جاتے ہیں اور کوئی نہ کوئی فرد جرم عائد کر دیتے ہیں کہ آج سے بیس ،پچیس سال پہلے فلاں دہشت گرد نے آپ کے ہاں نماز پڑھی تھی۔ فلاں دہشت گرد یا اس کا کوئی رشتہ دار آج سے بیس سال پہلے آپ کے مدرسہ میں پڑھتا رہا۔ جبکہ مدرسہ والوں کو اس کا علم بھی نہیں۔ مگر آج بیس پچیس سال بعد مدرسہ والوں کو یاد کرایا جا رہا ہے۔ اس قسم کی رپوٹوں سے مدارس کی کیٹگری بنائی جا رہی ہے۔ ہر مدرسہ کو کسی نہ کسی طرح سے دہشت گردی کی لڑی میں پرویا جا رہا ہے۔ خصوصاً الیکٹرانک میڈیا اپنے دام

کھرے کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں ہے۔ایک ایک مدرسہ کا نام لے کراس میں پڑھنے والے دہشت گردوں کو جوڑا جارہا ہے۔کیا کبھی کسی کالج اور یونیورسٹی سے فارغ ہونے والے چوروں،ڈاکوؤں،لٹیروں،بھتہ خوروں،ٹارگٹ کلروں،علماء کے قاتلوں اور ملک دشمن عناصر جوکہ بلوچستان کے پہاڑوں پر اپنی کمین گاہیں بنائے ہوئے ہیں کوان کالجوں اور یونیورسٹیوں سے جوڑا گیا ہے؟۔کہا یہ جارہا ہے کہ مدارس میں جہاد کے نام پر دہشت گردی سکھائی جارہی ہے،مگر آج تک کسی بھی مدرسہ میں ٹریننگ کیمپ ثابت نہیں کیا جاسکا۔اور کچھ نہیں ملا تو کہنا شروع کردیا کہ ٹریننگ نہیں دی جاتی بلکہ دہشت گردی پڑھائی جاتی ہے۔انہیں مرنے مارنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ مدرسہ میں لوگ پڑھنے کے لئے آتے ہیں مرنے کے لئے نہیں آتے۔مگر یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ مدارس کے بچوں کو مرنے مارنے کی تربیت مدارس سے باہر سے دی گئی ہے۔ ہماری بہادر اور زیرک افواج کو ان مدارس سے لڑانے کی کوشش کی جارہی ہے،جن سے فارغ شدہ افراد نے فوج کے ساتھ مل کر ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کو دفاع کیا۔کیا وہ وقت بھول گئے کہ جب روس نے افغانستان پر قبضہ کیا تو پاک فوج کے دائیں،بائیں آگے،پیچھے ہوکر ملک کے دفاع کے لئے کون لڑا ،کون قربان ہوا؟مدارس سے فارغ التحصیل طلباء کو فوجی ٹریننگ کس نے دی۔سب جانتے ہیں کہ جب روس نے افغانستان پر قبضہ کیا تو اس کا مقابلہ افغانستان ہی کے دیندار طبقے نے شروع کیا۔ان کا ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا،صرف ہماری آئی ایس آئی ہی پیچھے کھڑی تھی۔کوئی امریکہ کوئی نیٹو سامنے آنے کے لئے تیار نہیں تھا۔امریکہ ویت نام میں اپنا حشر دیکھ کر روس ے مقابلہ کرنے سے کتراتا تھا۔یہ ہماری پاک فوج ہی تھی جس نے اس وقت افغان مجاہدین کی پشت پناہی کی۔یہ جنگ دسمبر ۱۹۷۹ء میں شروع ہوئی۔امریکہ اس میں بذات خود شریک نہیں ہوا،وہ حالات کا جائزہ لیتا رہا۔۱۹۸۱ء میں جاکر کہیں امریکی وزیر خارجہ برنسکی آیا اور جنرل ضیاء الحق مرحوم سے اس جنگ کے معاملہ پر بات چیت کی ،امریکہ کو یقین نہیں تھا کہ یہ جنگ جیتی جاسکتی ہے۔جنرل ضیاء الحق مرحوم نے کہا کہ ہم روس کو دریائے آمو کے پیچھے دھکیل دیں گے۔اس پر وہ حیران ہوا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔جنرل مرحوم نے کہا کہ ہم ایسا کرکے دکھائیں گے۔اس پر برنسکی نے پوچھا کہ اس معاملہ میں ہم آپ کی کیا مدد کرسکتے ہیں؟جنرل مرحوم نے کہا کہ یہ آپ دیکھیں۔برنسکی نے اپنی حکومت کو جب صورت حال بتائی تو امریکہ کے صدر جمی کاٹر نے پاکستان کے لئے دس لاکھ ڈالر کی امداد کا اعلان کردیا۔جنرل مرحوم نے کہا کہ یہ کیا ہماری قوم تو اتنی رقم کی مونگ پھلی کھا جاتی ہے۔مراد اس سے یہ تھی کہ ہم آپ کی مدد کے بغیر یہ جنگ لڑ بھی

سکتے ہیں اور جیت بھی سکتے ہیں۔۱۹۸۲ء میں جب صدر ریگن کا دور آیا تو اس نے افغان مجاہدین کو با قاعدہ وائٹ ہاؤس بلا کر انہیں نہ صرف شاباش دی بلکہ انہیں اپنے سر کا تاج قرار دیا، اور خزانوں کے منہ کھول دیئے۔اسلحہ کے انبار لگا دیئے۔امریکہ سمجھ چکا تھا کہ یہ جنگ ضرور جیتی جائے گی، اسے افغانوں کے جنگجوآنہ جذبے کا علم تھا۔افغانوں نے انگریز جیسی سُپر طاقت ''جن کی حکومت میں کبھی سورج نہیں غروب ہوتا تھا'' کو ناکوں چنے چبوادیئے تھے۔امریکہ اس سے پہلے جنگوں میں اپنے ہزاروں فوجی گنوا چکا تھا، اب پھر گنوانا نہیں چاہتا تھا، جب اس نے دیکھا کہ اس جنگ میں ہمارا کوئی فوجی شریک نہیں ہوگا اور نہ مرے گا، اگر مرے گا تو یہ ملاّں ہی مرے گا تو اس نے مال اور اسلحہ سے خوب مدد کی۔یہ بات ذہن میں رکھیں افغانستان اور اس سے ملحقہ پاکستانی سرحدی علاقوں کے لوگ اس جنگ سے پہلے صرف جنگ جُو تھے، جہادی نہ تھے۔جنگجو ہونا ان کا کلچر تھا۔یہ لوگ صدیوں سے اپنے علاقے میں اسلحے کے ساتھ ہی جیتے اور مرتے تھے۔ان کے بڑے بڑے قبائل ہیں جو کہ صدیوں سے اپنے روایات کو تھامے ہوئے ہیں۔ان کے ہاں دشمنیاں صدیوں تک نسل در نسل چلتی ہیں۔یہ لوگ اسلحہ کو مرد کا زیور سمجھتے چلے آرہے ہیں۔یہ لوگ جب رات کو سوتے ہیں تو اسلحہ ساتھ رکھ کے سوتے ہیں۔ان کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بچے کے کان میں اذان دینے سے پہلے اسلحہ سے فائر کرتے ہیں۔دیکھنا یہ ہے کہ ان لوگوں کے اس جنگجوانہ ذہن کو جہادی کلچر میں کس نے بدلا؟ یہ روس کے ساتھ جنگ سے بدلا گیا۔پہلے جو جنگجو تھے وہ بعد میں اس جنگ میں شرکت کی وجہ سے جہادی کہلائے۔ان کو جہادی کس نے بنایا۔صوبہ سرحد جو کہ اب خیبر پختون خواہ کہلاتا ہے شروع ہی سے پسماندہ تھا۔وہاں کے لیڈروں نے کبھی اس کی ترقی کے لئے کام نہیں کیا۔اسی پسماندگی کی وجہ سے وہاں غربت عام تھی۔تعلیم ادارے نہ ہونے کے برابر تھے۔لوگوں میں دینی رجحان زیادہ تھا، اس لئے دینی تعلیم کے لئے لوگ اپنے بچوں کو دینی مدارس میں بھیجتے تھے۔دینی مدارس عوام الناس کے مالی تعاون سے چلتے ہیں۔صوبہ خیبر میں چونکہ مالی فراوانی نہ تھی، پنجاب اور صوبہ سندھ مالی اعتبار سے متمول تھے، اس لئے ان دوصوبوں میں قائم مدارس زیادہ کامیاب تھے۔اسی لئے صوبہ خیبر اور بلوچستان سے دینی تعلیم کے حصول کے لئے طلباء آتے۔یہاں پر رہائش، خوراک اور تعلیم کا بہتر انتظام تھا۔چنانچہ پنجاب اور کراچی کے مدارس میں صوبہ خیبر اور بلوچستان کے طلباء کی تعداد زیادہ ہوتی تھی۔یہ طلباء محنتی اور جفاکش ہوتے تھے۔بڑی محنت کے ساتھ یہ طلبا اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس چلے جاتے یا کچھ اساتذہ کی خواہش پر تدریس کے لئے پنجاب اور کراچی میں رُک جاتے۔جنگ وجدل چونکہ ان کا کلچر تھا اس لئے

جب یہ لوگ اپنے علاقوں میں واپس جاتے تو اسی کلچر پر واپس آ جاتے، ان کے پاس بھی اسلحہ ہوتا، یہ طلبا بھی اپنے علاقوں میں سرِ عام اسلحہ لے کر گھومتے۔ مگر جب چھٹیوں کے بعد پنجاب یا کراچی میں واپس اپنے مدارس میں آتے تو اسلحہ کلچر اپنے علاقوں میں ہی چھوڑ آتے۔ کوئی طالبعلم کسی بھی مدرسہ میں کسی بھی قسم کا اسلحہ لے کر نہیں آتا تھا، اور نہ ہی کسی مدرسہ میں اسلحہ رکھنے کی اجازت ہوتی تھی۔ دینی مدارس کا اپنے طلباء پر نگرانی کا نظام بڑا سخت ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر پوچھ گچھ کی جاتی ہے۔ شک پڑنے پر ان کے سامان کی تلاشی لی جاتی ہے۔ اگر کوئی مشکوک مواد ملے تو اُسے فوراً مدرسہ سے نکال دیا جاتا ہے۔ ہم جب مدرسہ میں پڑھتے تھے تو اس وقت روس کے خلاف جنگ کا دور دور تک نشان نہ تھا۔ ہمارے ساتھ مدرسہ میں قبائلی علاقوں کے لڑکے بھی پڑھتے تھے۔ وہ اپنے علاقے کے کلچر کی داستانیں سنایا کرتے تھے۔ بتایا کرتے تھے کہ ہمارے قبیلہ کی فلاں قبیلہ سے دشمنی ہے، میں نے اپنے قبیلے کے اتنے افراد کے خلاف لڑائی کی۔ اتنے ہمارے اور اتنے ہمارے مخالف قبیلہ کے لوگ مارے گئے۔ وہ کہا کرتے کہ ہمارے علاقے میں رات کو باہر نکلنا مشکل ہے، ساری رات بندوقوں کی آوازیں گونجتی ہیں۔ میرے لئے میرے باپ نے فلاں رائفل لے کر رکھی ہوئی ہے۔ ایک دفعہ جب ہم رمضان المبارک کی سالانہ چھٹیوں سے واپس مدرسہ پہنچے تو محسوس کیا کہ گزشتہ سال قبائلی علاقوں سے ہمارے ساتھ پڑھنے والا ایک طالبعلم نہیں آیا، ہم سمجھے کہ شاید کسی عذر کی وجہ سے دیر ہوگئی ہو۔ دو تین ماہ وہ طالبعلم جب مدرسہ نہیں آیا تو ہم نے اُسی کے علاقے کے ایک دوسرے طالبعلم سے اُس کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کے قبیلہ کی فلاں قبیلہ سے دشمنی تھی، گزشتہ چھٹیوں میں جب وہ گھر گیا تو دشمنوں سے ایک مقابلہ میں وہ مارا گیا۔ یہی تھا افغانستان سے ملحقہ ہمارے پاکستانی قبائلی علاقوں کا کلچر۔

دوسری بات یہ کہ اس افغان اور روس جنگ میں صرف پاکستان سے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا خصوصاً عرب ممالک سے بھی کثیر تعداد میں نوجوان اس جنگ میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ وہ تمام کے تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں کے پڑھے ہوئے تھے۔ خود اُسامہ بن لادن امریکہ یونیورسٹی سے انجنیئرنگ پڑھا ہوا تھا۔ کیا امریکہ نے اسامہ بن لادن کی امریکہ کے خلاف جنگ کی وجہ سے وہ یونیورسٹی بند کردی۔ یا اُسے دہشت گردوں کا اڈہ قرار دیدیا۔

آجکل الیکٹرانک میڈیا اس کام پر لگا ہوا ہے کہ فلاں دہشت گرد فلاں مدرسہ میں پڑھتا رہا ہے، اس نے قبائلی علاقوں یا افغانستان کے ٹریننگ کیمپوں سے تربیت حاصل کی۔ کوئی یہ نہیں بتلاتا کہ

جس مدرسہ میں وہ پڑھتا تھا کیا اس میں کوئی ٹریننگ کیمپ تھا یا ہے! ہم نے جیسے ابھی ذکر کیا ہے کہ جو بھی قبائلی علاقے کا طالبعلم تھا وہ اپنے ہی علاقے کے اسلحہ کلچر کی بنیاد پر وہیں سے تربیت یافتہ تھا۔ مگر میڈیا کو کیا چاہیے، اس نے اپنے پیسے کھرے کرنے ہیں اور وہ اپنی نوکری کر رہا ہے۔

سوال پھر وہیں رہ جاتا ہے کہ ان جنگجوؤ کو جہادی کس نے بنایا؟ افغانستان میں روس کے ساتھ جب جنگ شروع ہوئی تو وہاں ہی کے لوگوں نے اپنی جنگجویانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانا شروع کر دیا۔ افغانستان کے سرحدی علاقوں کے ساتھ پاکستان کے سرحدی علاقے کے لوگوں کی اپنے ہمسایہ ملک میں رہنے والوں کے ساتھ رشتہ داریاں بھی تھیں، اور یہ لوگ کھلی سرحد ہونے کی وجہ سے آزادانہ آتے جاتے تھے، شادی بیاہ بھی ہوتے تھے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو قدرتی طور پر پاکستان کے سرحدی علاقوں پر بھی اس کا اثر ہوا۔ جو طلباء صوبہ سرحد یا بلوچستان سے پنجاب کے مدارس میں آ کر پڑھتے تھے وہ جب جنگ کے دنوں میں رمضان کی سالانہ چھٹیوں پر گھر جاتے تو اپنے اسی جنگجوانہ ماحول اور افغانستا سے رشتہ داری کے تعلق کی وجہ سے جہاد کے لئے افغانستان چلے جاتے۔ جب چھٹیا ختم ہوتیں تو واپس مدرسہ میں آ جاتے۔ میں پھر دوہراؤں گا کہ جہاد سے واپسی پر مدرسہ میں کوئی طالبعلم بھی اسلحہ لے کر نہ آتا، اُس بھرپور جہادی فضا میں بھی دینی مدارس میں چیک اینڈ بیلنس کا سخت نظام تھا۔ کڑی نگرانی ہوتی تھی، کسی بھی طالبعلم کو جہاد کے نام پر مدرسہ میں کسی بھی قسم کا اسلحہ لانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ ان طلباء کو افغان جنگ میں بھیجنے کے لئے مدارس کا کوئی کردار نہ تھا۔ نہ مدارس میں کوئی ٹریننگ کیمپ تھا، یہ لوگ خو ہی اپنے جنگجو کلچر کی وجہ سے جنگ میں کود گئے۔ کچھ ہماری ایجنسیوں نے بھی اس میں بڑا کردار ادا کیا۔ ان کے جنگجوانہ کلچر کو جہادی کلچر میں بدلنے کے لئے عالمی میڈیا نے بڑا کردار ادا کیا۔ انہیں مجاہد کہا گیا، یورپ و امریکہ میں ان کی پذیرائی کی گئی۔ جنگ میں زخمی ہونے والوں کو علاج کے لئے امریکہ اور یورپ میں بھیجا گیا۔ پاکستان میں جہاد کے نام پر ٹی وی ڈرامے بنائے گئے۔ اور انہی سرحدی علاقوں میں باقاعدہ فوجی ٹریننگ کیمپ قائم کئے۔ دینی مدارس کے وہ طلباء جو کہ افغانستان اور پاکستان کے سرحدی علاقوں میں رہے والے تھے وہ جب پنجاب اور کراچی کے مدارس سے چھٹیوں پر اپنے علاقوں میں جاتے، اور پھر جہاد کرنے افغانستان جاتے تو واپس آ کر اپنے ہم سبق ساتھیوں کو اپنے کارنامے بیان کرتے تو ان طلباء ساتھیوں میں بھی جہاد کا جذبہ پیدا ہو جاتا، ان

میں سے کچھ ٹریننگ کے لئے قبائلی علاقوں میں چلے جاتے۔ کسی مدرسہ نے باقاعدہ انہیں ٹریننگ کے لئے نہیں بھیجا۔ ہوا یہ کہ جس طرح امریکہ نے اپنی فوجی افرادی قوت محفوظ کر کے ملاّں کو لڑنے مرنے کے لئے آگے کر دیا بالکل اسی طرح ہماری فوج نے بھی انہی بچوں کو اپنی فوجی افرادی قوت بچانے کے لئے آگے کر دیا۔ ان کی پشت پناہی خوب کی گئی۔ انہیں ٹریننگ اسلحہ بھرپور طریقہ سے دیا گیا۔ یہاں تک کہ روس بکھر گیا اور جنگ جیت لی گئی۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اس جنگ کے جیتنے میں جہاں ان مجاہدین کا بڑا کردار ہے وہاں ہماری پاک فوج کا کلیدی کردار ہے۔ سوال یہ ہے کہ انہی جہادیوں کو جو کہ پاک فوج کے شانہ بشانہ لڑ رہے تھے اور مر رہے تھے فسادی بننے پر مجبور کس نے کیا اور فوج کے ساتھ کس نے لڑایا؟ اس پر غور کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں۔

چاہیے تو یہ تھا افغان جہاد سے فراغت کے بعد انہی جہادیوں کو ملک کے حفاظتی اداروں میں کردار دیا جاتا، تاکہ یہ لوگ مثبت انداز میں اپنی صلاحیتوں کو ملک کی حفاظت کے لئے استعمال کرتے۔ مگر انہیں آزاد چھوڑ دیا گیا، چنانچہ ان میں شوریدہ سری اُبھر آئی۔ جس کا نتیجہ آج سب کے سامنے ہے۔ اور اسلامی نظام سے خائف لبرل طبقہ اپنی خفت مٹانے کے لئے جو کہ روس کی شکست کی وجہ سے ہوئی تھی وہ اس کام پر لگ گیا ہے کہ دینی اداروں کو فوج سے لڑا دیا جائے۔ ہم صاف طور پر کہنا چاہتے ہیں پاکستان کے دینی اداروں یا جماعتوں کی پاک فوج سے کوئی دشمنی نہیں۔ اور فوج سے لڑائی کو ہم غلط سمجھتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ دہشت گردوں کے خلاف آپریشن ضرور کیا جائے۔ کسی بھی قسم کے دہشت گرد کو آزاد نہ چھوڑا جائے۔ مگر یہ ضرور کہنا چاہیں گے کہ اس آپریشن کی رُخ دینی طبقہ کے طرف نہ کیا جائے بلکہ ملک کے ہر حصہ میں جہاں کہیں بھی کسی بھی قسم کی دہشت گردی ہو رہی ہو، چاہے وہ لسانی ہو، چاہے علاقائی ہو، چاہے وہ صوبائی ہو، چاہے وہ بھتہ خوری کی بنا پر ہو، چاہے وہ ٹاگٹ کلر کی طرف سے ہو، ان سب کے خلاف آپریشن کیا جائے، ان سب کو دہشت گرد قرار دیا جائے، ساری قوم آپ کے ساتھ ہے۔

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہمارے ملک کے عوام کا پروپیگنڈے کے ذریعہ ایسا ذہن بنا دیا گیا ہے کہ اب اگر کوئی اونچی آواز میں اللہ کا نام بھی لیتا ہے تو یہ قوم خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ گزشتہ دنوں سرگودھا شہر میں ایک مخبوط الحواس شخص نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو سارے علاقے میں خوف و

ہراس پھیل گیا، لوگ دکانیں بند کر کے بھاگ کھڑے ہوئے، اور اس بازار میں سناٹا چھا گیا۔ ہمارے ملک کے وزیر داخلہ نے بیان دیا کہ دہشت گردوں کو سزائے موت دی جائے گی، اور ساتھ ہی کہا کہ ''سزائے موت ہمارے مذہب کا حصہ ہے'' تو پھر اس بیان کو مذہبی بنیاد پر عملی جامہ پہنانے کے لئے ہماری ساری سیکورٹی ایجنسیاں مذہبی لوگوں کے پیچھے پڑ گئیں۔

لگتا ہے کہ کچھ نادیدہ قوتیں ہماری پاک فوج کو دینی قوتوں سے لڑانے کی سازش کر رہی ہیں، پہلے یہی لوگ ملاں ملٹری الائنس کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ انہی دونوں قوتوں نے مل کا روس کو شکست دی، یہی دونوں قوتیں شانہ بشانہ رہیں تو دنیا کبھی میلی آنکھ سے پاکستان کی طرف نہیں دیکھ سکتی تھی، مگر اب ملک دشمن قوتیں انہی کو آپس میں ٹکرانا چاہتی ہیں۔

یا پھر وہ سیاسی عناصر جنہوں نے فوج کو ملک میں مارشل لاء کا طعنہ دے کر فوج کو قانون شکن کے طور پر متعارف کرایا ہوا ہے، وہ ملک میں قانون کا نفاذ کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں اپنے سر کی بلا فوج کے سر ڈال کر اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں، اس لئے ہماری فوج سے درخواست ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے، تاکہ کل کلاں پشیمانی نہ ہو۔

پاکستان کے دینی مدارس اور مذہبی جماعتوں پر یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ملک میں فرقہ وارانہ دہشت گردی کے بانی ہیں۔ یہ سراسر الزام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے قیام کے ۳۲ ربرس تک فراقہ وارانہ خاص کر شیعہ سنی عنوان سے کہیں کوئی دہشت گردی نہیں تھی، کبھی کبھار سال بھر میں اکّا دکّا تصادم کی خبریں ملتی تھیں، وہ بھی محرم کے مہینہ میں۔

پاکستان میں شیعہ سنی فرقہ وارانہ دہشت گردی ۱۹۷۹ء میں ایرانی انقلاب کے بعد شروع ہوئی۔ اس میں بھی میں سمجھتا ہوں کہ اس فرقہ وارانہ دہشت گردی کی پشت پر قادیانیوں کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان کو ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی قانون ساز اسمبلی نے متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہوا ہے۔

قادیانیوں کی کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے ان کے کفر کے مسئلہ کو فرقہ وارانہ قرار دے کر اس شق کو آئین سے نکال دیا جائے۔ یاد رکھیں کہ قادیانیوں کا مسئلہ خالصتاً کفر و اسلام کا مسئلہ ہے، اس کو فرقہ وارانہ نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اس لئے اس مسئلہ کو بھی غور سے دیکھا جائے۔

سید الطائفہ قطب العالم قطب الاقطاب

مجالس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ قدس سرہٗ

مولوی عبدالوہاب خان صاحب رامپوری نے عرض کیا حضرت پنجاب کے پیر صاحب رامپور تشریف لائے تھے ان کے رامپور میں بھی بہت مرید ہیں۔ نواب صاحب سے بھی ان کی ملاقات ہوئی تھی ایک دوست کی وساطت سے مجھے بھی پیر صاحب کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ پیر صاحب کو ہمارے اس کام کا علم ہوا تو فرمایا کہ یہ فساد ہے ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ اسلئے مجھے ڈر تھا کہ حضرت سن کر ناراض ہونگے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا نہیں میں ناراض نہیں ہوتا۔

ضرور کرو مگر اللہ کے واسطے کرو۔ حضرت مدنیؒ بھی تو یہی کام کرتے ہیں اور اللہ واسطے کرتے ہیں۔ اس پر جناب عزیز الرحمٰن جامعی نے مولوی صاحب مذکور سے کہا کہ آپ اس سلسلہ میں باہر بھی اپنے تعلقات قائم کرنے چاہئیں تا کہ باہر سے پریس آپ کا حامی رہے۔

ایک ریاست کے کارکنوں کا ذکر کیا وہ جواہر لال سے ملے تو ان کو یہ مدد ملی۔ مولانا عبدالوہاب خان نے فرمایا کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ تو مجھ سے اور میرے اس کام سے واقف ہیں۔ جب مولانا رامپور گئے تھے تو ہمارا مدرسہ پختہ نہیں بنا تھا چھپر تھا اس لیے مجھے چھپر والا مولوی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تشریف لے گئے تھے وہ بھی واقف ہیں۔ نیز عرض کیا کہ حضرت میں ریاست میں کہیں اگر مدرسہ کے کام یا کسی اور کام بھی جاتا ہوں تو جہاں جس کے پاس ٹھہرنا ہوتا ہے۔ ریاست والوں کو یہ بھی کھٹکنے لگتا ہے یہ بڑی مشکل ہے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا ہمت سے کیے جاؤ مگر خدا واسطے اور لوگوں کو بھی دلیری سے کام لینا چاہیے۔

مولوی حبیب اللہ صاحب بہاولپوریؒ نے دریافت کیا کہ حضرت ایک ولی دوسرے ولی کی

نسبت سلب کرلیا کرتا ہے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ہمیں تو پتہ نہیں کیونکہ کوئی ایسی بات دیکھی نہیں۔ ہاں حضرت حاجی صاحب (حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ) کے متعلق حضرتؒ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے جو شخص ایسا تصرف کرے تو وہ بہت برا ہے۔ یہ سب خیال کی قوت پر موقوف ہے۔ جوکوئی اس طرح اثر ڈال کرکسی سے کچھ پیسے بٹورے وہ ویسا ہی ہے۔ جیسے چوری یا غصب اور ڈاکہ ڈال کر کچھ لے لیا۔

حضرت حاجی امداداللہ صاحب نے آیت مبارکہ سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا ایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون.

یعنی ''اے لوگوں جو ایمان لائے ہومت داخل ہو گھروں میں، سوائے گھروں اپنوں کے، یہاں تک کہ اذن لو اور سلام کرو اوپر رہنے والوں اُن کے۔ یہ بہتر ہے واسطے تمہارے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

استنباط فرمایا کہ کسی کی اندرونی حالت بھی ایسے طریقے سے نہ دیکھنے کوشش کرے۔ چہ جائیکہ تصرف کرنا،

کسی نے دریافت کیا کہ حضرتؒ ایسا ہو بھی جاتا ہے فرمایا سلب تو کیا ہاں توفیق سلب ہو جاتی ہے اور یہ سحر کی قسم ہے حضور ﷺ پر کسی نے جادو کردیا تھا یہ کوئی بزرگی کی بات نہیں خیالی قوت کی بات ہے۔ جو کافر بھی کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ دوسرا خیال کا کمزور ہو یا بے خیال ہو۔

ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ ویسے یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ایک کافر کو دیکھ کر اثر ہو جاتا ہے (مولوی شیخ بشیر احمد نومسلم بہاولپوری کے واقعہ کی طرف اشارہ تھا) اس پر مولانا عبداللہ صاحب جالندھریؒ نے عرض کیا کہ پھر میرے جیسے کمزور طبیعت،

اور خام آدمی کو تو ایسے کسی آدمی کی صحبت میں بیٹھنا نہ چاہیے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ہاں نہیں بیٹھنا چاہیے۔ ویسے ایک دوسرے کا اثر تو سب لیتے ہیں مگر جو جھاڑ سکتے ہیں اثر کو جھاڑ سکتے ہیں۔

حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ایک بات میں سب کو خصوصاً علماء حضرات کو جو پڑھانے کا کام کرتے ہیں کہنا چاہتا ہوں کہ خواہ دس منٹ خواہ دس دن یا دس سال میں غرض جتنے عرصہ میں بھی یہ خیال پک سکے۔ پکانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ

جو کام میں کر رہا ہوں اللہ کے واسطے کر رہا ہوں۔

اس نیت کو تازہ اور خالص کرنے کے کام کی کوشش کریں۔ ایک تو منہیات ایک مباحات اور ایک مستحب وغیرہ سب مباحات بھی اگر اس نیت کے ساتھ کیے جائیں مستحب کا اثر ہو اور مستحب تو مستحب ہے ہی ایک تو اجمالی نیت ہے ہر کام کی اور ایک ہر کام کی نیت ہے تفصیلی جس شخص کو یہ مشق ہو جائے غنیمت ہے۔ اگر ایک شخص اس نیت سے ہل چلاتا ہے کہ اس پر اپنے بیوی بچوں کی پرورش واجب ہے تو اس کا ہل چلانا جبکہ غفلت کے ساتھ نہ ہو تو نوافل سے افضل ہے کہ وہ تو مستحب ہیں۔ اور جو شخص غفلت سے فرائض نماز ادا کرتا ہے اس کے فرائض سے بھی پہلے شخص کا مباح کام افضل ہوا۔ مثنوی میں ہے ؎

کفر گیرد کاملے ملت شود　　　　ہر کہ گیر علتے علت شود

جو لوگ دین کے کام میں لگے ہیں اگر وہ نیت کو خالص اور تفصیلی طور پر تازہ کرتے رہیں تو یہی کام ان کیلئے اکسیر ہے۔ ذکر کی ضرورت نہیں۔ مگر ذکر کے بغیر غفلت بھی عموماً ضرور ہو جاتی ہے اس لیے ساتھ کچھ ذکر ضرور لگائے رکھنا چاہیے۔

حضرت شیخ الہندؒ کو ہم نے اسارت مالٹا سے پہلے بھی دیکھا تھا اور بعد میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ بڑے میاں قید سے وہ کما لائے جو تصور میں بھی نہ آ سکتا تھا۔

ایک دفعہ چائے آئی تو کسی نے کہہ دیا کہ حضرت یہ کالی چائے انگریز پیا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر کالی چائے انگریز پیتے ہیں تو ہم آئندہ سبز چائے پیا کریں گے۔ چنانچہ دیوبند حاضری ہوئی تو دیکھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کیلئے مہتمم صاحب کے ہاں سے سبز چائے پک کر آیا کرتی تھی۔ ان کی اس بات میں بھی ایک بات تھی لیکن کوئی نقل کرے تو نقل ہوگی۔

اسی گفتگو میں حضرت والاؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ نواب رامپور کی طرف سے ضلع علی گڑھ اور

ضلع مراد آباد کے اعلیٰ حکام کو اتنی ہی تنخواہ ملا کرتی تھی جتنی ان کی اصل تنخواہ حکومت ہند کی طرف سے ہوتی تھی ۔ یہ راؤ فضل الرحمٰن خان صاحب ہیں ان کے چچا راؤ عبدالکریم خان صاحب بریلی میں اعلیٰ عہدے پر تھے ان کا بیان ہے کہ جب وہ وہاں اپنے عہدہ پر پہنچے تو ان کیلئے بھی وہ تنخواہ آئی مگر انہوں نے انکار کر دیا راؤ فضل الرحمٰن خان صاحب کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ وہ بچے تھے ۔ مگر آپ کے چچا راؤ عبدالشکور خان صاحب کو شاید اچھی طرح یاد ہوگا۔

اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے ہمیں اس طرف نہ ڈالا ورنہ ہم کچھ کم نہ ہوتے اور نواب جونا گڑھ کا یا کسی اور جگہ کے نواب کا واقعہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے دادا مرحوم کی روایت سے بیان فرمایا کہ نواب صاحب کو امراء وزراء نے ایسا اُلو بنایا کہ اس کی والدہ کو ایک جگہ نظر بند کر کے نواب کو کہہ دیا کہ وہ فوت ہوگئیں ہیں۔

ایک دفعہ عید کے روز ہاتھی پر سوار ہو کر نواب کا اپنی والدہ کی نظر بندی کے محل کے پاس سے گزر ہوا تو کھڑکی میں سے ان کی والدہ نے نواب کو مخاطب کر کے اپنا سر پیٹا کہ میں نے تجھے بڑی مصیبتوں سے پالا تھا مگر تو نے مجھے قید میں ڈال رکھا ہے۔

نواب ہاتھی پر سے اتر کر دروازے کی طرف سے والدہ کے ملنے کیلئے گھوڑے پر سوار ہو کر چلا تو امراء وزراء دوڑتے ہوئے گئے اور فوراً کئی آدمیوں سے تصدیق کروا کر نواب کو روک دیا کہ حضور اس مکان میں آسیب رہتے ہیں اس لیے یہ مکان مدت سے ویران پڑا ہے۔ اور وہ جو کچھ آپ نے دریچہ سے دیکھا ہے کہ وہ سب آسیب کی کارستانی تھی ۔ نواب لوٹ آیا اور پھر کبھی اس نے ادھر کا رخ نہ کیا۔ یہاں تک کہ نواب کی لاعلمی میں آخر اس کی والدہ کا اس مکان میں انتقال ہوگیا کہ کسی کو جرأت نہ تھی کہ نواب کو صحیح بات سے اطلاع دے کر اپنی موت اور تباہی خریدتا۔

حضرت شیخ الہندؒ کے تذکرہ میں فرمایا کہ ان حضرات کے سامنے واقعات تھے اور بارہ ہزار ترک قید میں تھے ۔ ان سے بھی ملنا ہوا تو اب ہمارے مفتی صاحبان بے شک کتابوں کی عبارتیں نقل کرتے ہیں مگر ذہن تو واقعات سے بنتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر سب سے پہلا فتوائے تکفیر

تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

از انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی قسط 51

سید عطاءُ اللہ شاہ بخاریؒ کی بیت اوّل کے متعلق رئیس الاحرارؒ کا موقف

گزشتہ ماہ ''ملیہ'' کے شمارے میں سید عطاءُ اللہ شاہ بخاریؒ کے متعلق لکھا گیا تھا کہ ان کی دوبار بیعت ہوئی۔ ایک بیعت جو کہ ۱۹۲۹ء میں حضرت علامہ انورشاہ صاحب کشمیری کی موجودگی میں لاہور میں ہوئی،

دوسری ۱۹۳۵ء میں گورداس پور میں مجمع عام میں ہوئی۔ ان میں گورداس پور کی بیعت کی حقیقت لکھی جا چکی ہے۔

اور لاہور کی بیعت اوّل کے متعلق تحریر نامکمل تھی۔ اس میں چار میں سے تین ثقہ ترین تحریروں میں ایک ہی مضمون لکھا گیا ہے کہ امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کی بیعت کے لئے حضرت علامہ انورشاہ صاحب کشمیریؒ کی طرف سے کوئی تجویز یا تحریک نہیں تھی بلکہ اس کے محرک رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ ہی تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بیعت کے محرک رئیس الاحرارؒ کا موقف کیا ہے۔ اس سلسلہ میں رئیس الاحرارؒ نے حضرت علامہ انورشاہ صاحب کشمیریؒ کے بڑے فرزند مولانا محمد ازہر شاہ قیصر مرحوم کو ایک خط لکھا تھا۔

یہ خط ہم پہلے بھی ماہنامہ ''ملیہ'' میں شائع کر چکے ہیں اور انشاءاللہ ''مکاتیب رئیس الاحرارؒ'' میں بھی شائع ہوگا۔ اس خط کا کچھ مضمون گورداسپور میں امیر شریعتؒ کی بیعت کے متعلق گزشتہ ماہ کے شمارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

اس خط کے ابتدائی مضمون کو ذکر کیا جاتا ہے۔

از: کوچہ رحمٰن چاندنی چوک، دہلی

عزیز سید محمد ازہر شاہ قیصر

السلام علیکم۔ آپ کا ایک مضمون (شاہ جی اور ابّا جی) کے عنوان سے اخبار ''آزاد'' ۴ / اکتوبر ۴۹ء کے شمارے میں نظر سے گذرا۔ جس میں حضرت استاذ شیخ الاسلام مولانا سید انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے تعلق کو بیان کیا گیا ہے۔

افسوس ہے کہ اس میں بعض باتیں خلاف واقعہ درج ہوئی ہیں، جن پر مجھے تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ بادی النظر میں میری تحریر سے شاید کچھ اور مطلب لیا جائے۔ میرا مقصود صرف تاریخی غلطی کا اظہار کرنا ہے اور واقعات کی صحت۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی محبت اور عزت آج بھی میرے دل میں جتنی ہے شاید کسی کے دل میں ہو۔ میں ان حالات میں بھی ان کو بھولا نہیں ہوں،

بلکہ بعض وقت میرے جسم پر ایسے تاثرات ہوتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو عطاء اللہ شاہ محسوس کرنے لگتا ہوں۔ لیکن ان حالات اور واقعات کی غلط بیانیوں کو سن کر خاموش رہنا میرے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

(۱) یہ کہنا کہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، صریح غلط بیانی ہی نہیں بلکہ جھوٹ بھی ہے۔ یہ بات آپ کے سواء آج تک کسی نے لکھی نہ کہی اور نہ ہم نے سُنی۔

واقعہ کی حقیقت صرف یہ ہے کہ ۱۹۲۹ء میں جبکہ لاہور میں کانگریس کا ایک کُھلا اجلاس ہونے والا تھا، انہی دنوں مارچ میں انجمن خدّام الدین کا سالانہ تبلیغی جلسہ ہوا، اس میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے گئے تھے۔

حضرت مرحوم کی تشریف آوری کی بنا پر پانچ، چھ سو پنجاب کے علماء جلسے میں شریک ہوئے۔ دن کے دس بجے کے قریب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر شروع ہوئی، جس میں انہوں نے مسئلہ جہاد پر لاجواب تقریر فرمائی اور مجمع میں انگریز حکومت کے خلاف بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا۔

لوگوں میں اس قدر جوش پیدا ہوا کہ اس کا سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ ایک شخص نے مجمع سے

اُٹھ کر کہا کہ شاہ صاحب (بخاری) آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں، ہم کیا کریں؟ شاہ صاحب نے کہا کہ تم کانگریس کے چار چار آنے کے ممبر بن جاؤ۔ جہاد کی اس تقریر کے بعد لوگوں کو یہ جواب تسلی بخش نہیں تھا۔

میں شروع جلسہ سے شاہ جی (بخاری) کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میں نے فوراً اُٹھ کر کہا کہ آپ لوگ شاہ جی (بخاری) کو پہلے امیر تسلیم کرلیں اس کے بعد جو شاہ جی کہیں وہ کرو۔ جلسہ میں چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ ہم شاہ جی (بخاری) کو امیر تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں اور بیعت کرتے ہیں۔

جب شاہ جی (بخاری) کو چاروں طرف سے لوگوں نے بیعت لینے پر مجبور کیا تو شاہ جی (بخاری) نے اپنی طبعی کمزوری کی بنا پر اعلان کیا کہ میں امیر بننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ تجربے نے بتایا کہ یہ بات انہوں نے سچ کہی تھی۔ مگر لوگوں کا اصرار بڑھتا گیا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت ضرور کریں گے۔ اس پر شاہ جی (بخاری) نے اپنی جان بچانے کے لئے کہا کہ اگر حضرت شاہ صاحب (علامہ محمد انور شاہ صاحب مرحوم) حکم دینگے تو میں امیر بننا منظور کرلونگا۔ اس پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فوراً کھڑے ہوگئے۔

اور فرمایا کہ مظفر گڑھ کے ایک جلسہ میں عطاء اللہ شاہ صاحب بوقت شب میرے پاس آئے اور کہا کہ ''مجھے کچھ ذکر اذکار تلقین کیجئے، ہم نے ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتادیا'' میں نے کہا تو پھر آج ایک نئی تاریخ رقم کیجئے۔ پیر کو چاہیے کہ وہ مرید کی بیعت کرے۔ اس پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ جی (بخاری) کی طرف ہاتھ بڑھایا تو شاہ جی (بخاری) رونے لگے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے شاہ جی (بخاری) کا ایک ہاتھ پکڑ کر اوپر اُٹھایا اور یوں فرمایا ''اس وقت ایک امیر کی ضرورت ہے، بھائیو! میں ان کو اس کا اہل سمجھتا ہوں'' اور اسی طرح کے دو ایک کلمے تعریف کے فرمائے، اس پر شاہ جی (بخاری) کی ٹال مٹول اور بہانہ ختم ہوگیا۔

اس پر عوام نے اور سٹیج کے علماء نے حتیٰ کہ مولانا ظفر علی خاں نے شاہ جی (بخاری) سے بیعت اور ان کا امیر ہونا تسلیم کرلیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ صاحب (بخاری) کے ہاتھ پر نہ بیعت کی اور نہ اپنی بیعت کا اعلان۔ نیز جس نے شاہ جی (بخاری) کے امیر بنانے کا مشورہ دیا

تھا اس نے نہ بیعت کی اور نہ اس بارے میں کوئی اعلان کیا۔

ایک بات اور رہ گئی، وہ یہ کہ جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ یہ اس کے اہل ہیں کہ آپ ان کو اپنا امیر بنائیں تو شاہ جی (بخاری) رونے لگے۔ تین دن شاہ جی (بخاری) پر اس کا اثر رہا کہ میں امیر بنایا گیا ہوں لیکن وہ پھر بھول گئے۔

ایک اور بات کی وضاحت کر دوں جو کہ بہت ضروری ہے، وہ یہ کہ آپ نے لکھا ہے کہ یہ جو بیعت لی گئی تھی یہ ''امیر شریعت'' کے عنوان سے لی گئی تھی۔ یہ بھی غلط ہے۔ اس وقت صرف ''امیر'' کی بیعت لی گئی۔ اس بیعت کا کوئی عنوان نہیں تھا۔ امیر شریعت کے نام سے جو بیعت لی گئی وہ ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے۔ آپ چونکہ اس بیعت کے وقت موجود نہیں تھے، اور نہ ہی اس کا آپ کو علم ہے اس لئے ۱۹۲۹ء والی بیعت کو ''امیر شریعت'' کی بیعت سمجھ بیٹھے۔

۱۹۲۹ء کے آخر میں مجلس احرار اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ ابتداء میں عاضی طور پر شاہ جی (بخاری) کو نگران صدر بنایا گیا تا کہ مجلس احرار کی باڈی تشکیل دی جا سکے، پھر اس کے بعد مجھ کو باقاعدہ صدر منتخب گیا، جو کہ دس سال تک رہا۔

۱۹۳۵ء کے آنے تک حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ انتقال فرما گئے تھے، نیز حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف سے شاہ جی (بخاری) کے لئے بیعت کو تقریباً چھ سال گذر چکے تھے اس دوران کبھی کسی نے ان کو ''امیر شریعت'' نہیں کہا اور نہ لکھا، نیز لوگوں کے ذہن سے بیعت والا واقعہ تقریباً محو ہو چکا تھا۔

نوٹ:۔ اس سے آگے کا مضمون گزشتہ شمارے میں لکھا جا چکا ہے۔

رئیس الاحرارؒ اپنے مکتوب کے آخر میں اپنی اس تحریر کا لُبِ لُباب یوں بیان کرتے ہیں:

(۱) حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ للہ علیہ نے شاہ جی (بخاری) کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر بیعت نہیں کی، صرف ان کا ہاتھ پکڑ کا کہا کہ میں ان کو اس کا اہل سمجھتا ہوں۔

(۲) جو اس کا محرک تھا یعنی ''میں'' نے بیعت نہیں کی

(۳) حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو بیعت لی تھی وہ ''امیر شریعت'' کے عنوان سے نہیں لی تھی بلکہ صرف ''امیر'' کے نام سے ایک عام بیعت لی تھی، زیادہ سے زیادہ اس بیعت

کو''امیر جہاد'' کی بیعت کہا جاسکتا ہے۔

امیر شریعت کے عنوان سے بیعت ۱۹۳۵ء میں گورداسپور میں جلسہ عام میں عامۃ الناس سے لی گئی۔ اگر کچھ لوگ حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ والی بیعت کو''امیر شریعت'' کے عنوان کے ساتھ جوڑتے ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی اس بناپر ہے کہ وہ لوگ ۱۹۳۵ء والی جلسہ عام کی بیعت کے وقت موجود نہ تھے۔ جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری اس بیعت عام کی وجہ سے''امیر شریعت'' مشہور ہوگئے تو وہ حضرات یہ سمجھے کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے جو بیعت لی تھی وہ امیر شریعت کی بیعت تھی۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔

فیصلہ مقدمہ بہاولپور

مقدمہ بہاولپور کی تمام تفصیلات گزشتہ صفحات میں آ چکی ہیں چونکہ مقدمہ کی سماعت تقریباً چار سال ہوتی رہی اس لئے اس مقدمہ کا فیصلہ ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو ہوا۔

اس مقدمہ کے فیصلہ کی عبارت تو بہت طویل ہے۔ جو کہ باقاعدہ ایک کتاب کی شکل میں چھپ چکی ہے۔ یہاں پر صرف اس فیصلہ کی آخری چند عبارات درج کی جاتی ہیں۔ چنانچہ جج منشی محمد اکبر خان صاحب لکھتے ہیں۔

فیصلہ

اوپر کی تمام بحث سے یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے اور کہ رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین بایں معنی نہ ماننے سے کہ آپ آخری نبی ہیں ارتداد واقع ہو جاتا ہے اور کہ عقائد اسلامی کی رو سے ایک شخص کلمہ کفر کہہ کر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

مدعاء علیہ مرزا غلام احمد صاحب کو عقائد قادیانی کی رو سے نبی مانتا ہے اور ان کی تعلیم کے مطابق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ امت محمدیہ میں قیامت تک سلسلہ نبوت جاری ہے۔ یعنی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین یعنی آخری نبی تسلیم نہیں کرتا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی دوسرے شخص کو نیا نبی تسلیم کرنے سے جو قباحتیں لازم آتی ہیں ان کی تفصیل اوپر بیان کی جاچکی ہے۔ اس لئے مدعا علیہ اس اجماعی عقیدۂ اُمت سے منحرف ہونے کی وجہ سے مرتد سمجھا جاوے گا اور اگر ارتداد کے معنی کسی مذہب کے اصولوں سے بکلی

انحراف کے لئے جاویں تو بھی مدعا علیہ مرزا صاحب کو نبی ماننے سے ایک نئے مذہب کا پیرو سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے قرآن کی تفسیر اور معمول بہ مرزا صاحب کی وحی ہو گی۔ نہ کہ احادیث اقوال فقہاء جن پر کہ اس وقت تک مذہب اسلام قائم چلا آیا ہے اور جن میں سے بعض کے مستند ہونے کی خود مرزا صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔ علاوہ ازیں احمدی مذہب میں بعض احکام ایسے ہیں کہ جو شرع محمدی پر مستزاد ہیں اور بعض اس کے خلاف ہیں۔ مثلاً چندہ ماہواری کا دینا جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے۔ زکوٰۃ پر ایک زائد حکم ہے۔ اس طرح غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھنا کسی احمدی لڑکی غیر احمدی کو نکاح میں نہ دینا کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا شرح محمدی کے خلاف اعمال ہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے ان اُمور کی توجیہیں بیان کی گئی ہیں کہ وہ کیوں غیر احمدی کا جنازہ نہیں پڑھتے کیوں ان کو نکاح میں لڑکی نہیں دیتے اور کیوں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن یہ توجیہیں اس لئے کار آمد نہیں کہ یہ اُمور اُن کے پیشواؤں کے احکام میں مذکور ہیں۔ اس لئے وہ ان کے نقطہ نگاہ سے شریعت کا جزو سمجھے جائیں گے جو کسی صورت میں بھی شرع محمدی کے موافق تصور نہیں ہو سکتے۔ اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جائے کہ وہ تمام غیر احمدی کو کافر سمجھتے ہیں تو ان کے مذہب کو مذہب اسلام سے ایک جدا مذہب قرار دینے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں مدعا علیہ کے گواہ مولوی جلال الدین شمس نے اپنے بیان میں مسیلمہ وغیرہ کاذب مدعیان نبوت کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ گواہ مذکور کے نزدیک دعوے نبوت کاذبہ ارتداد اور کاذب مدعی نبوت کو جو مان لے وہ مرتد سمجھا جاتا ہے۔

مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کاذب مدعی نبوت ہیں۔ اس لئے مدعا علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا ابتدائی تنقیحات جو ۴ نومبر ۱۹۲۶ء عیسوی کو عدالت منصفی احمد پور شرقیہ سے وضع کی گئی تھیں۔ بحق مدعیہ ثابت قرار دی جا کر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے اور اگر مدعا علیہ کے عقائد کو بحث مذکورہ بالا کی روشنی میں دیکھا جاوے تو بھی مدعا علیہ کے ادعا کی مطابق مدعیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی امتی نبی نہیں ہو سکتا اور کہ اس کے علاوہ جو دیگر عقائد مدعا علیہ نے اپنی طرف منسوب کئے ہیں وہ گو عام

اسلامی عقائد کے مطابق ہیں لیکن ان عقائد پر وہ انہی معنوں میں عمل پیرا سمجھا جاوے گا۔ جو معنی کہ مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں اور یہ معنی چونکہ ان معنوں کے مغائر ہیں جو جمہور امت آج تک لیتی آئی۔ اس لئے وہ مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا اور ہر دو صورتوں میں وہ مرتد ہی ہے اور مرتد کا نکاح چونکہ ارتداد سے فسخ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعیہ صادر کی جاتی ہے کہ وہ تاریخ ارتداد معا علیہ سے اس کی زوجہ نہیں رہی۔ مدعیہ خرچہ مقدمہ بھی ازاں مدعا علیہ لینے کی حقدار ہوگی۔

اس ضمن میں مدعا علیہ کی طرف سے ایک سوال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ ہر دو فریق چونکہ مدعا علیہ مرتد ہو چکا ہے۔ اس لئے اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے بھی اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ مدعیہ کی یہ حجت وزن دار پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس بنا پر بھی وہ ڈگری پانے کی مستحق ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے اپنے حق میں چند نظائر قانونی کا بھی حوالہ دیا گیا تھا۔ ان میں سے پٹنہ اور پنجاب ہائی کورٹ کے فیصلہ جات کو عدالت عالیہ چیف کورٹ نے پہلے واقعات مقدمہ ہذا پر حاوی نہیں سمجھا۔ اور مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو عدالت معلے اجلاس خاص نے قابل پیروی قرار نہیں دیا۔ باقی رہا عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور کا فیصلہ بمقدمہ مسماۃ جندوڈی بنام کریم بخش اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ فیصلہ ہستہ اوداس صاحب جج چیف کورٹ کے اجلاس سے صادر ہوا تھا۔ اور اس مقدمہ کا صاحب موصوف نے مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ پر ہی انحصار رکھتے ہوئے فرمایا تھا۔ اور خود ان اختلافی مسائل پر جو فیصلہ مذکور میں درج تھے کوئی محاکمہ نہیں فرمایا تھا۔ مقدمہ چونکہ بہت عرصہ سے دائر تھا۔ اس لئے صاحب موصوف نے اسے زیادہ عرصہ معرض تعویق میں رکھنا پسند نہ فرما کر باتباع فیصلہ مذکورا سے طے فرما دیا۔ دربار معلے نے چونکہ اس فیصلہ کو قابل پابندی قرار نہیں دیا۔ جس فیصلہ کی بناء پر کہ وہ فیصلہ صادر ہوا۔ اس لئے فیصلہ زیر بحث بھی قابل پابندی نہیں رہتا۔

فریقین سے مختار مدعیہ حاضر ہے اسے حکم سنایا گیا مدعا علیہ کارروائی مقدمہ ہذا ختم ہونے کے بعد جبکہ مقدمہ زیر غور تھا۔ فوت ہو گیا ہے۔

اس کے خلاف یہ حکم زیر آرڈر ۲۲ رول ۶ ضابطہ دیوانی تصور ہوگا۔ پرچہ ڈگری مرتب کیا جاوے اور مسل داخل دفتر ہو۔

۷ فروری ۱۹۳۵ء بمطابق ۳ ذیقعدہ ۱۲۵۳ھ۔ بمقام بہاولپور

محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاول نگر، ریاست بہاولپور۔(بحرف انگریزی)
(فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۱۴۷ تا ۱۵۱)

ڈاکٹر اقبال مرحوم، ملّاں اور مسئلہ قادیانیت

ہم گزشتہ تین سال سے ’’تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں‘‘ کے عنوان سے قسط وار مضمون شائع کر رہے ہیں۔اس دوران بعض دفعہ اہل علم حضرات کی طرف سے کچھ اشکالات بھی آئے ،ہم نے اپنے طور پر ان اشکالات کو رفع بھی کیا۔اسی دوران تحریک ختم نبوت میں ڈاکٹر ،علامہ،سر محمد اقبال مرحوم کے تحریک ختم نبوت میں کردار کا بھی ذکر آیا۔جس طرح دیگر اہلِ علم کو ابتداء میں قادیانیت کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ،ہم نے ان کو بیان کیا، بالکل اسی طرح ڈاکٹر اقبال مرحوم سے بھی ابتداء میں قادیانیت کو سمجھنے میں غلطی ہوئی،ہم نے ان کو بھی مختصراً بیان کیا۔اس پر اہل علم کی طرف سے ملا جلا رَدّ عمل سامنے آیا۔

اپنے خیالات کو ای میل کے ذریعہ سے ہم تک پہنچایا، یا ذاتی ملاقات میں یا پھر اخبارات و رسائل میں اپنی قلمی جوہر دکھائے۔اکثر اہل علم نے ان تاریخی حقائق کو سراہا، کچھ نے خوشگوار حیرت کا اظہار کیا، کچھ اہل علم نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا اور کچھ جسمانی اور ذہنی قسم کے مریض لوگوں نے مغلظات کا سہارا لیا۔ہم نے لکھا تھا کہ اقبال مرحوم شروع شروع میں ملّاں کے مخالف تھے مگر جب ملّاں کا انہیں قرب حاصل ہوا تو اقبال مرحوم کے جو تحفظات ملّاں کے متعلق تھے وہ دور ہو گئے۔اور یہ بھی لکھا تھا مسئلہ قادیانیت کی اصلیت اقبال کو ملّاں ہی سے معلوم ہوئی۔

کچھ حضرات نے ملّاں کے متعلق کہے گئے اقبال مرحوم کے اشعار بھی لکھے،اور عشق نبوی میں ڈوبا ہوا کلامِ اقبال بھی تحریر کیا،اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اقبال ملّاں کا مخالف تھا، نیز اقبال نے قادیانیت کو سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔

اصل میں ڈاکٹر،سر،علامہ محمد اقبال مرحوم ہندوستان میں ماڈریٹ مسلمانوں کے مفکر تھے۔انہیں فلسفی شاعر کہا جاتا ہے، ویسے شاعری بذات خود فلسفے کا ہی دوسرا نام ہے،اس اعتبار سے ہر شاعر فلسفی ہوتا ہے۔مگر ڈاکٹر اقبال مرحوم کی شاعری نے برصغیر میں اپنے گہرے اثرات چھوڑے

ہیں۔اقبال مرحوم کی شاعری سے صرف مسلمانوں نے ہی استفادہ نہیں کیا بلکہ غیر مسلم بھی ان کی شاعری کے مداح ہیں۔میرے خیال میں ڈاکٹر اقبال بنیادی طور پر فارسی کے شاعر تھے، کیونکہ اس دور میں فارسی کو سرکاری طور پر بھی ادب میں بڑا مقام حاصل تھا۔مگر اس کے ساتھ ساتھ اقبال مرحوم نے اردو شاعری میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دیں ہیں۔انہوں نے فلسفہ کی ڈگری یورپ سے حاصل کی تھی۔اسی لئے وہ فکری آزادی کے پیامبر بھی تھے۔اسی فکری آزدی کے فلسفہ کی بنیاد پر یورپ نے مذہب سے چھٹکارا حاصل کیا، جس میں اس نے سب سے پہلے پاپائیت کو اپنے مذہب سے نکال دیا۔اقبال کو ابتدا میں یورپ کا یہ فلسفہ بہت پسند آیا۔چنانچہ انہوں نے ہندوستان واپس آ کر فکری آزادی کا درس دینا شروع کر دیا۔

جس کی ابتدا انہوں نے ملائیت پر تنقید سے کی۔انہوں نے علماء کے خلاف بے دریغ شعر کہے۔فکری آزادی کے فلسفہ ہی کی بنیاد پر انہوں نے ''شکوہ'' کے نام پر ایک نظم کہی۔جس میں ذات باری تعالیٰ پر شکوہ کیا گیا تھا۔اس پر ہندوستان کے علماء کی طرف سے شدید ردّ عمل ہوا۔چنانچہ انہوں نے بعد میں جوابِ شکوہ لکھی، جس کی وجہ سے ماحول میں ٹھہراؤ آ گیا۔اقبال مرحوم نے ملائیت کو ہدفِ تنقید بنائے رکھا۔

اقبال مرحوم ملائیت کو پاپائیت کا ہی تسلسل سمجھتے رہے۔یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔پاپائیت اس لئے غلط تھی کہ عیسائی مذہب اسلام کے آنے کے وقت نہ صرف منسوخ ہو چکا تھا بلکہ اس میں تحریف کر کے اس کی اصلیت ہی ختم کر دی گئی تھی۔اس کے بعد سے اب تک نام کے عیسائی تو ہیں مگر ان کا اصل مذہب دنیا جہان میں کہیں نہیں پایا جاتا۔اسلام کے آنے کے بعد عیسائی مذہب کی توجیہ وتشریح کی ضرورت باقی نہ رہی تھی، مگر عیسائی راہبوں یا پادریوں نے اپنا نان ونفقہ چلانے کے لئے پاپائیت کی بنیاد رکھی، جس سے انہوں نے عیسائی حکمرانوں سے مراعات حاصل کیں۔

جبکہ ملائیت کا پاپائیت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں اور نہ ہی اس نام کی اسلام میں کوئی شئے ہے، صرف علم کی بنیاد پر علماء کا طبقہ پیدا ہوا۔چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ بند ہو چکا تھا، اور اسلام ہی اب ایک واحد دین رہ گیا تھا جس نے تا قیامت رہنا تھا۔اس لئے قیامت تک آنے والے حالات میں احکام خداوندی اور احادیث رسول کی توجیہ وتشریح کرنے کی ضرورت تھی، اس کے

لئے ہر زمانے میں علماء کے ایک طبقہ کا ہونا ضروری تھا۔ جس کے متعلق اللہ نے اپنے قرآن اور جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان میں واضح اشارے دیئے ہیں۔

اس لئے اقبال مرحوم کا ابتداء میں ساری سمجھداری کے باوجود علماء کو پاپائیت کے ساتھ جوڑنا اجتہادی غلطی تھی۔ گو بعد میں علماء حق کی صحبت حاصل ہونے کی وجہ سے اقبال مرحوم کو اپنی اس غلطی کا احساس بھی ہو گیا تھا۔ اسی لئے اقبال مرحوم نے بعد میں کہا:

آزادئ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

مگر ہمارے ہاں ماڈرن اور سیکولر ذہن رکھنے والے دانشور اقبال مرحوم کے فلسفے کو اپنی سفلی خواہشات کی تکمیل کے لئے استعمال کرتے نہیں تھکتے۔ آج بھی اس کے ابتدائی دور کے ملاّں پر کہے گئے شعروں کو بطور پھبتی کے استعمال کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔ اسی لئے یہ لوگ قوم میں کنفیوژن پھیلانے کے لئے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ اقبال فروشوں کی طرف سے ملاّں کے خلاف کہے گئے زیادہ تر اقبال مرحوم کے یہ شعر پیش کئے جاتے ہیں:

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور
الفاظ ومعانی میں تفاوت نہیں لیکن — ملاّ کی اذاں اور ہے مجاہد کی اذاں اور
دل ملاّ گرفتار غمے نیست — نگا ہے ہست در چشمش، نمیے نیست
ملاّ کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت — ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد
صوفی کی طریقت میں فقط مستیِ احوال — ملاّ کی شریعت میں فقط مستیِ گفتار
باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری — اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری
ملاّ کی نظر نورِ فراست سے ہے خالی — بے سوز ہے مے خانہ صوفی مَے ناب

ایک مخصوص طبقہ ضرور تھا جس نے واقعی فساد فی سبیل اللہ شروع کر رکھا تھا، اور اس زمانے میں اقبال مرحوم پر کفر کے فتوے دے رکھے تھے۔ اس کی کئی مثالیں ہیں، اگر انہیں یہاں درج کیا جائے تو کئی صفحات کالے ہو سکتے ہیں۔ مگر دو تین مثالیں دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے متعلق کتاب ذکر اقبال میں یوں درج ہے:

استفتا بابت علامہ اقبال

یہ وہ زمانہ تھا جب ترک موالات کے بعد ہندوؤں میں شدھی اور سنگھٹن کا جوش و خروش برپا تھا مسلمان اس کے جواب میں تبلیغ و تنظیم کے ادارات منظّم کر رہے تھے۔ پھر سلطان ابن سعود کی تطہیر حجاز کے غلغلے نے ہندوستان میں مسلمانوں کو دو مذہبی کیمپوں تقسیم رکھا تھا۔ سلطان ابن سعود کے حامیوں اور مخالفوں کے درمیان سخت کش مکش ہو رہی تھی۔ دونوں طرف کے علماء نے تکفیر کا ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ علامہ اقبال سلطان ابن سعود کی حمایت میں بیان دے چکے تھے اور بدعتی علماء ان کے خلاف خار کھائے بیٹھے تھے۔

اتنے میں ایک خوش طبع مسلمان کو دل لگی سوجھی۔ اس نے ایک استفتا مرتب کر کے مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ خطیب مسجد وزیر خان لاہور کو بھیج دیا۔ یہ صاحب اپنے شوق تکفیر کیلئے بے حد مشہور تھے۔ چنانچہ متعدد اکابر مسلمین کو کافر بنا چکے تھے۔ اس خوش طبع مسلمان نے اپنا نام ''پیرزادہ محمد صدیق سہارن پوری'' تجویز کیا اور یہ استفتا لکھا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور حامیانِ شروع متین اس مسئلے میں کہ ایک شخص اشعار میں آفتاب کو خدائی صفات کے ساتھ متصف کرے اور اس سے مرادیں طلب کرے، آخرت پر یقین نہ رکھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر سے استہزا کرے۔ علمائے کرام اور پیرانِ عظام پر آوازیں کسے اور انہیں برے خطابات سے یاد کرے۔ ہندوؤں کے ایک بزرگ کا جسے وہ خدا اوتار مانتے ہیں۔ ''امام'' اور ''چراغِ ہدایت'' کے الفاظ سے یاد کرے اور اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو۔ کیا ایسا آدمی اسلام پر ہے یا کفر پر؟ اس کے ساتھ لین دین، نشست و برخاست اور ہر طرح کا مقاطعہ کرنا جائز ہے یا ناجائز اور نہ کرنے والوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا۔ اشعار حسبِ ذیل ہیں:

۱۔

اے آفتاب ہم کو ضیائے شعور دے ۔۔۔ چشمِ خرد کو اپنی تجلی سے نور دے
ہے محفلِ وجود کا ساماں طراز تو ۔۔۔ یزدانِ ساکنانِ نشیب و فراز تو
ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو ۔۔۔ زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو

نہ ابتدا کوئی نہ کوئی انتہا تری آزاد قید اوّل و آخر ضیا تری

۲۔ کہاں کا آنا کہاں کا جانا فریب ہے امتیاز عقبیٰ
نمود ہر شے میں ہے ہماری کوئی ہمارا وطن نہیں ہے

۳۔ خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں !

۴۔غضب ہیں یہ مرشدانِ خود میں خدا تری قوم کو بچائے
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں

۵۔رام کی تعریف میں فرماتے ہیں:

اس دیس میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سرشت
مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نامِ ہند
ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کو ناز
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند
اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
روشن تو از سحر ہے زمانے میں شامِ ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا

(المستفتی پیرزادہ محمد صدیق سہارن پوری)

فتویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسم پروردگار اور یزدان عرفاً مخصوص ذات جناب باری ہے اور اوتار ہنود کے نزدیک خدا کے جنم لینے کو کہتے ہیں۔ اندریں صورت یزادان اور پروردگار آفتاب کو کہنا صریح کفر ہے۔ علیٰ ہذا خدا

کے جنم لینے اور عقیدہ بھی کفر اور توہینِ موسیٰ علیہ السلام بھی اور توہین بزرگانِ دین فسق لہٰذا جب تک ان کفریات سے قائل اشعار مذکور توبہ نہ کرے، اس سے ملنا جلنا تمام مسلمان ترک کر دیں ورنہ سخت گناہ گار ہوں گے۔ ابو محمد دیدار علی الخطیب فی مسجد وزیر خان المرحوم

اس فتوے پر ملک بھر میں شور مچ گیا۔ مولوی دیدار علی پر ہر طرف سے طعن و ملامت کی بوچھاڑ ہوئی۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ''زمیندار'' میں اس جاہلانہ فتوے کی چھتاڑ کر دی۔ خود ''زمیندار'' نے فتوے پر تبصرہ کیا۔

ایک گمنام مقالہ نگار (غالباً چودھری محمد حسین، ایم۔اے) نے ایک مدلل مضمون میں اس فتوے کا جوب دیا یعنی اشعار منقولہ کے ایک ایک لفظ پر بحث کر کے ثابت کیا کہ ان سے ہرگز کفر کا شائبہ تک پیدا نہیں ہوتا۔ مولوی دیدار علی کی اس حرکت سے علمائے اسلام کے اجتماعی وقار کو سخت صدمہ پہنچا۔ کیونکہ مسلمانوں کے تمام طبقات عالم و عامی، قدیم تعلیم یافتہ اور جدید پڑھے ہوئے لوگ علامہ اقبال کو نہایت مخلص مسلمان، عاشق رسول، دردمنتِ ملت حامیِ دین اسلام تسلیم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ہمارے علماء کے نزدیک اقبال جیسا مسلمان بھی کافر ہے تو پھر مسلمان کون ہے؟

مولوی دیدار علی اَلوَر کے رہنے والے تھے۔ اسی مناسبت سے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے الور پر یہ چار شعر لکھے:

گر فلک در اَلور انداز د ترا!
اے کہ می داری تمیزِ خوب و زِشت
گو بیت در مصرعۂ برجستۂ
آنکہ بر قرطاسِ دل باید نوشت
آدمیت در زمینِ اُو مجو!
آسمان ایں دانہ در اَلور نہ کشت
کِشت اگر ز آب و ہوا خر رستہ است
زانکہ خاکش را خرے آمد سرشت

(''روزگار فقیر صفحہ جلد ۲۔ صفحہ ۲۳۲، ۲۳۳)

(۲):۔اسی قبیلہ کے ایک اور فرد ہیں، ابوالطاہر محمد طیب صدیقی قادری برکاتی قاسمی داناپوری فاضل مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور، ان کی تصنیف ''تجانب اہل السنۃ عن اہل الفتنہ'' میں جہاں اور مسلم اکابر کی تکفیر کی گئی ہے وہاں علامہ مرحوم کو بھی دشنام طرازی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''یہ ترجمانی حقیقت ہے یا ترجمانی ابلیسیت'' (ص۳۳۶)

''ڈاکٹر صاحب کی زبان پر ابلیس بول رہا ہے'' (ص۳۴۰)

اور ''مسلمانانِ اہل سنت خود ہی انصاف کر لیں کہ ڈاکٹر صاحب کے مذہب کو سچے دین اسلام سے کیا تعلق ہے۔'' (ص۳۴۱)

ایک اور صاحب مولوی بدرالدین احمد قادری رضوی، صدر المدرسین دارالعلوم فیض الرسول بدایوں شریف نے مولانا احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی کی سوانح میں ایک عنوان ''نام نہاد مفکرِ اسلام'' باندھا ہے اور علامہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا نمونہ ملاحظہ کیجیے:

''ڈاکٹر سر اقبال نے بھی اپنی شاعری کے بل بوتے پر اسلام کو کچھ کم دھکّا نہیں پہنچایا ہے......انھیں باتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خودساختہ مفکرِ اسلام نے اپنے فارسی اور اُردو کلام میں الحاد، دہریت، بے دینی و نیچریت کا بیج کس قدر بویا ہوگا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ......نیچریوں کا شور ہے کہ سر محمد اقبال ترجمانِ حقیقت اور مفکرِ اسلام ہیں۔ ایشیا کے شعراء ان کے سامنے سرِ نیاز خم کرتے ہیں۔ یورپ کے فلاسفران کا علمی لوہا تسلیم کر چکے ہیں لیکن میری طرف سے گزارش ہے کہ وہ سبھی کچھ ہیں بتاؤ کہ مسلمان بھی ہیں۔'' (ص ۳۸ تا ص۴۲)

(۳):۔ڈاکٹر اقبال مرحوم نے سر کشن پرشاد کے نام حافظ جماعت علی شاہ صاحب کے متعلق لکھا:

''حافظ جماعت علی شاہ صاحب کو میں بہت عرصہ سے جانتا ہوں۔ وہ ہمارے ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں۔ میں ان کو سلسلۂ پیری مریدی کے آغاز سے پہلے بھی جانتا تھا اور اب بھی ان کے حالات سے ناواقف نہیں ہوں۔ ایک دفعہ بنگلور میں ان کی وجہ سے بہت فساد ہونے کو تھا۔ ان کا وجود مسلمانوں میں اختلاف کا باعث ہوا۔

وہاں کے مسلمانوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں یہ تقاضا کیا گیا تھا کہ میں ان کے حالات

بلا رُو رعایت لکھوں تا کہ فساد رفع ہو۔ میں نے جو کچھ مجھے معلوم تھا لکھ دیا۔ الحمد للہ کہ وہ فساد رفع ہو گیا اور حافظ صاحب مع اپنے مریدوں کے وہاں سے رخصت ہوئے۔ وہ بڑے ہوشیار آدمی ہیں اور پیری مریدی کے فن کو خوب سمجھتے ہیں۔

بے اِعتنائی ان لوگوں کی بالعموم مصنوعی ہوتی ہے اور اس میں سینکڑوں اغراض پوشیدہ ہوتی ہیں جس طرح وہ سرکار سے پیش آئے ہیں اس طرزِ عمل کا مفہوم بخوبی سمجھتا ہوں۔ ان کے ہاں جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ آپ اُن کی سمجھ سے اور گرفت سے بالا تر ہیں۔" (اقبال نامہ حصہ دوم ص۱۷۹، ۱۸۰)

ایسے ہی مولویوں کے متعلق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے فرمایا تھا:

دینِ حق از کافری رُسوا تر است
زانکہ ملّا مومنِ کافر گر است
از شگر فیہائے آں قرآں فروش
دیدہ ام رُوح الامین را در خروش
زانسوئے گردوں دِلش بیگانۂ
نزدِ اُو اُمّ الکتاب افسانۂ
بے نصیب از حکمتِ دینِ نبی
آسمانش تیرہ از بے کوکبی!
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد
ملت از قال و اقولش فرد فرد!
مکتب و ملّا و اسرارِ کتاب
کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب!
دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد
دینِ ملّا فی سبیل اللہ فساد

(باقی آئندہ)

پرہیز گار وہی ہیں جو حقوق کی ادائیگی کرتے ہوں

''لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم''

کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈالا ہے (والتین ۴)

اگر ہم انسائیکلو پیڈیا اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے مختلف دانشوروں اور فلسفیوں نے انسان کی تعریف اپنے اپنے انداز میں کی ہے مثلاً قدیم علوم یونانی کے عالم ارسطو Aristotle نے کہا کہ انسان اسے کہتے ہیں جو بول سکتا ہے۔ Manisa creation which can pseak بقراط نے کہا کہ انسان وہ ہے جو اپنے خاندان کو پال سکے اور اس کی نگہداشت کر سکے۔

امام غزالی نے کہا کہ انسان کو ازلی نہ کہو وہ ابدی ہے یعنی جب سے مجسم آیا ہے اسے بقا ہی بقا وہ کبھی ختم ہونے والا نہیں بس اسکے مقامات تبدیل ہوتے رہتے ہیں

مثلاً پہلے وہ ماں کے پیٹ میں تھا پھر دنیا میں آیا اس دنیا میں اپنے جھنڈے گاڑے گا پھر ایک مقررہ مدت کیپا کو چھوڑ دے اور قبر کے پیٹ میں سما جائے گا پھر قبر سے میدان حشر میں آئے گا جہاں اس کا حساب کتاب ہوگا اس کے بعد اپنے کیئے گئے اعمال کے حساب سے جنت یا دوذخ کی راہ لے گا۔

پس انسان ابدی ہے اور مسلسل سفر میں ہے منزل اچھی جبھی ملے گی جب اعمال اچھے کیئے ہونگے۔ قرآن مجید نے بھی انسان کو مختلف مقامات پر مختلف انداز سے پکارا ہے۔

مثلاً: ترجمہ ''قسم ہے زمانے کی! بے شک و بایقین انسان نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیئے اور جنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی پھر سورہ بقرہ میں انسان کے صحیح عقیدے کی تعریف متعین کر دی۔''

ترجمہ ''انکی یہ نہیں کہ تم نے اپنے منہ مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ پر اور یوم آخر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں (سماریہ) پر اور پیغمبروں پر یقین رکھے اسکی

محبت میں مال خرچ کرے قرابت دواروں، یتیموں مسکینوں مسافروں اورسوال کرنے والوں کودے۔ غلاموں کوآزاد کرے نماز کی پابندی کرے اور زکوۃ کی ادائیگی کرے جب وعہ کرے تب اسے پورا کرے تنگ دستی دکھ اورلڑائی کے وقت صبر کرے یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں۔

صاحبو! سورہ بقرہ کی اس آیت میں ایمان کے بارے میں تفصیل دی جارہی ہے۔حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ بھلائی یہ ہے کہ انسان کے دل میں اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پیدا ہو جائے تمام فرائض پابندی اور غور فکر کے ساتھ ادا کئے جائیں اور وہ تمام بھلائیوں کا عامل بن جائے پس حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پر عمل کر لیا اس نے اسلام پر مکمل عمل کیا اور دل کھول کر بھلائی سمیٹ لی پس قرآن کی نظر میں صحیح انسان وہی ہے جس نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔مختصر یوں کہا جاسکتا ہے۔کہ صحیح انسان اس کو کہتے ہیں جو ہر کسی کا حق پہنچان سکے چاہے وہ حق اللہ کا ہو، فرشتوں کا ہو، یتیموں کا ہو، مسکینوں کا ہو، مسافروں کا ہو اور چاہے سوال کرنے والوں کا ہو۔

عزیز بھائیو اور بہنو! ہمارے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ فرماتے تھے کہ میں نے ۲۵ سال تک گھٹنے دوہرے کر کے اپنے شیخ کے سامنے قرآن پڑھا۔صرف تین دن پڑھتا تھا منگل بدھ اور جمعرات اور جمعہ کو غور فکر کرتا تھا کہ جو کچھ پڑھا ہے اس پر کتنا عمل کیا ہے ہفتے کو طالب علموں کو ساتھ لے جا کر جنگلوں میں جا کر لکڑیاں کاٹتے پھر ان لکڑیوں کو سکھر شہر لے جا کر فروخت کرتے اور پھر میں ان پیسوں سے مدرسے کے باورچی خانے کے لئے سودا سلف خرید کر لاتا۔چونکہ مجھے مطبخ کا صرف انچارج بنایا گیا تھا اس لئے کبھی کھا بھی لیتا تو کسی کو کیا پتہ چلتا مگر چونکہ پیرو مرشد نے صرف مطبخ کی نگرانی کا حکم دیا تھا اس لئے ان کے لفظو پر حرف بحرف عمل کیا آنکھ اٹھا کر بھی ہنڈیا کی طرف نہیں دیکھا۔سات برس تک صرف جنگلی پتے اور جڑی بوٹیاں کھاتا رہا۔یہ اسی فرمانبرداری کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتے کھانے والی زبان کو اتنا اثر اور درد دیا کہ ۲۵ سال تک پڑھا ہوا قرآن ۲۵ سال تک لاہوریوں کو پڑھایا اور کہا کہ میرے اس درس و تدریس کا نچوڑ یا خلاصہ ہے ۔کہ اللہ کو راضی کرو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔عبادت سے رسول اللہ ﷺ کر راضی کرو۔۔۔۔۔۔۔۔۔تابعداری سے خلق خدا کو راضی کرو۔۔۔۔۔۔۔۔خدمت سے

تو صاحبو! اگر تم غازی ہو تہجد گزار ہو تو اس سے تمہارے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو کیا

فائدہ؟ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''میری امت میں دراصل مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے اس حال میں کہ اس نے کسی کو گالی دی ہو، کسی پر تہمت لگائی ہو کسی کا مال کھا لیا ہو، کسی کا خون بہایا ہو اور کسی کو مارا ہو تو اب انہیں راضی کرنے کے لئے اس شخص کی نیکیاں ان مظلوموں کے درمیان تقسیم کر دی جائیں گی پس اس کی نیکیاں ختم ہونے کے بعد بھی اگر لوگوں کے حقوق اس پر باقی رہ جائیں گے تو اب حق داروں کے گناہ لاد دیئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا''۔

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دن راستے میں ایک بوڑھی نابینا عورت کو دیکھا آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تیرا کوئی عزیز یا رشتہ دار ہے جو تیری خدمت کرتا ہے اس نے کہا اللہ ہے سمجھ گئے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ میں مشغول ہے سوچا اس کی خدمت کر کے اللہ کو راضی کرتے ہیں چنانچہ اگلے دن اس کے گھر گئے تو حیران ہو گئے گھر صاف ستھرا تھا۔ ہر چیز سلیقے سے اور قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ بڑھیا سے استفسار کیا اس نے لاعلمی کا اظہار کیا کہ کوئی خدا کا بندہ آتا ہے اور سب کام کر جاتا ہے۔ آپؓ دوسرے دن صبح سویرے بڑھیا کے گھر پہنچ گئے اور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ وقت ہاتھ میں جھاڑو لئے چلے آ رہے ہیں سبحان اللہ! ''فاستبقوا الخیرات'' نیکی طرف دوڑو۔

آیت کا مفہوم تھا کہ ہم نے انسان کو بہترین قوام سے پیدا کیا چنانچہ اب ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اس قوام کی اس بہترین خام مال کی لاج رکھے اور انسانیت کا بہترین نمونہ اور مرقع بن کر دکھائے۔ انسانیت کے نمونے کے تو خود انبیاء کرام علیہ السلام کی زندگیاں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''بے شک تمہارے رسول اللہ ﷺ کی ہستی میں بہترین نمونہ ہے عزیزو! اس عظیم ہستی سے انسانیت کے عظم ماڈل سے انسان جتنی دور چلا جائے گا اتنا ہی وہ نالہ کی رحمت سے دور ہو گا محبوب کا ذکر اگر کثرت سے کیا جائے تو وہ خود دل میں جاگزیں ہو جائے گا۔ ذکر رسول اللہ ﷺ سے اپنے سینے منور کرو کہ اس کے بہت سے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ کی محبت قلب و نظر میں اتر جاتی ہے۔

منشی نول کشور کے نام سے ادبی دنیا بخوبی واقف ہے بڑا کٹر ہندو تھا۔ مندر میں جا کر عبادت کرتا تھا اس

زمانے میں جرمن ساخت کا پتھر کا بنا ہوا چھاپہ خانہ ہندوستان میں لایا گیا جس پر سب سے پہلے انجیل چھاپی گئی تھی منشی کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اس چھاپے خانے پر میں سب سے پہلے ہندو اور مسلمانوں کی مذہبی کتابیں چھاپوں۔ چنانچہ چھاپہ خانہ شروع کیا جب قرآن مجید کی باری آئی تو اس کو خواب میں ایک بزرگ نظر آئے فرمایا میں تم سے بہت خوش ہوں لیکن جب تم قرآن شریف چھاپنے لگو تو باوضو ہو جایا کرو اس نے ایسا ہی کیا اور اس طرح قرآن کو چھاپنے سے اس کا کاروبار ایسا چمکا کہ بڑے سے بڑے ادیب اور شاعر اس کے پریس سے اپنی کتابیں چھپوانا باعث فخر سمجھتے تھے۔ یہ صرف اور صرف قرآن کی خدمت کا صلہ ملا ہے اس کی موت پر اس کے جنازے پر تمام علماء اور ہندو شاعر شریک تھے۔

عزیزان من! اس دنیا رہ کر جو کچھ بھی کمایا جائے وہ برا نہیں۔ ایمانداری سے صحیح تجارت کر کے رزق حلال کما کر اگر آپ لکھ پتی بن سکتے ہیں تو اسلام اس کی ممانعت نہیں کرت لیکن صرف پیسے کو ہی اپنا مقصود نہیں بنا لینا چاہئے کہ دن رات کمانے اور پیسہ بنانے کے چکر میں لگے رہیں اپنے فرائض کو بھول جائیں۔ حکیم الامت حرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کسب دنیا منع نہیں ہے حب دنیا منع ہے یعنی دنیا جتنی بھی چاہے کما لو مگر اس کی محبت دل میں مت رکھو اور بلکہ ایسے خصائل پیدا کرو جو بزرگوں میں تھے۔

تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک بہت بڑی سلطنت کے مالک تھے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہت عطا ہوئی تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لاکھ لاکھ درہم سے مسلمانوں کے لئے کنواں خرید تے تھے پس یہ لوگ روپیہ پیسہ اور اقتدار پا کر آپے سے باہر نہیں ہوئے مصری قحط پڑا تو حضرت یوسف علیہ السلام پیٹ بھر کر کھانا کھاتے تھے۔

اب آپ بھی اپنے کمائے ہوئے روپے سے یتیموں کا سہارا بن سکتے ہیں بیواؤں کی خبر گیری کر سکتے ہیں مساجد اور مدارس بنوا سکتے ہیں چنانچہ مال کو ایسی جگہوں میں خرچ کرنے سے توشہ آخرت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کا صلہ بھی قرآن کریم کی سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶۱ کے مطابق سات سو گناہ ملتا ہے پس حلال

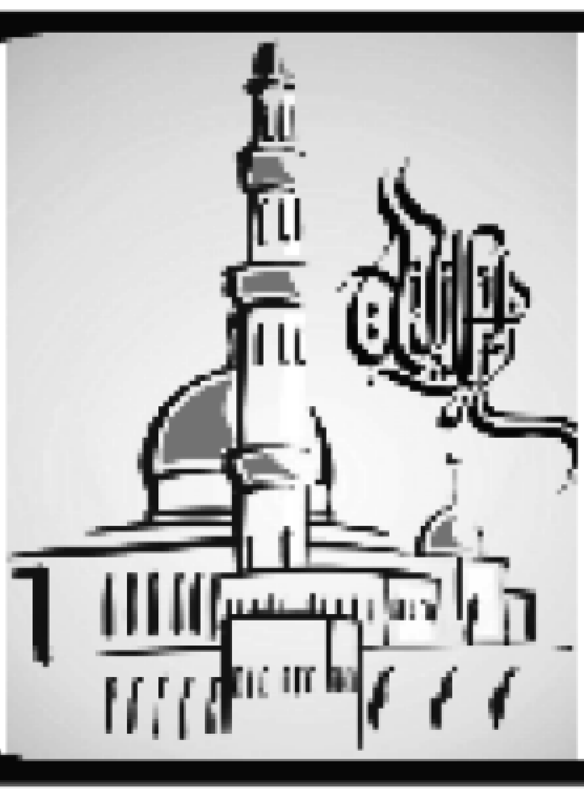
طریقوں سے دنیا کمائیں اور اپنی ضروریات پورا ہونے کے بعد باقی سرمایہ کو راہ خدا میں خرچ کریں اور انسانوں کے دکھ درد بانٹ لیں۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

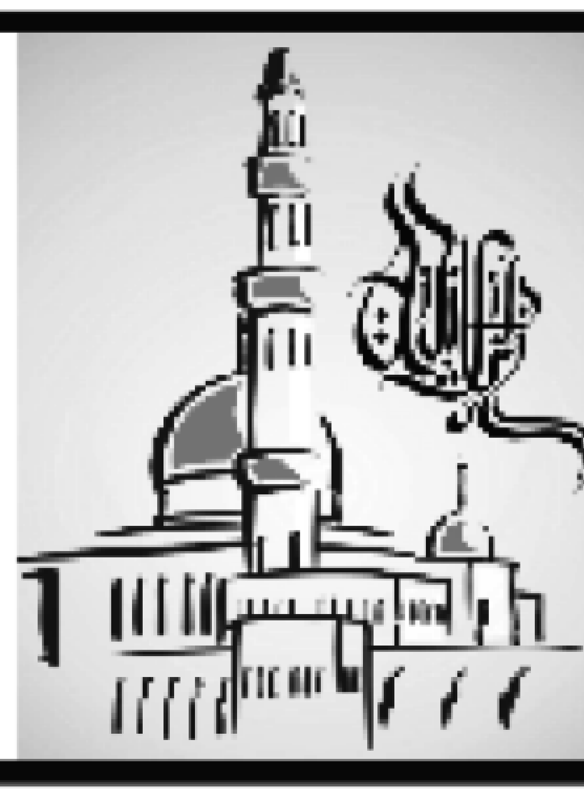
صاحبو! خلاصہ کلام یہ کہ دنیا کماؤ مگر مقصد حیات صرف اور صرف اللہ کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اگر اللہ کے احکامات کو پورا کرنا مقصد حیات بنالیا تو گویا اس دنیا میں آنے کا مقصد پالیا اور کامیاب لوگوں میں شمار ہوگا۔

ہماری قبریں خوبصورت اور منور ہونگی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں جنت میں داخل کرے گا۔ ملتان کے مشہور ولی حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کا ایک بڑا مشہور واقعہ ہے کہ آپ مریدوں میں گھرے بیٹھے تھے اور وعظ تلقین فرمارہے تھے کہ ایک مرید نے آکر اطلاع دی کہ حضرت آپ کا جو جہاز مال واشیا سے لدا ہوا آرہا تھا اس کو سمندری طوفان نے گھیر لیا اور وہ جہاز بمعہ ساز وسامان کے سمندر میں غرق ہوگیا۔ آپ نے چند لمحوں کے لئے آنکھیں بند کیں مریدیں دم بخود تھے کہ دیکھیں حضرت کیا فرماتے ہیں مگر آپ نے صرف دو لفظ کہے الحمدللہ۔ ابھی گفتگو جاری تھی کہ ایک اور مرید بھاگا ہوا آیا آواز بلند سے کہنے لگا پیرومرشد جہاز کے غرق ہونے کی خبر غلط تھی۔ آپ کا جہاز تو صحیح سلامت ساحل سمندر پر لنگر انداز ہوگیا ہے اور سارا مال ومتاع محفوظ ہے آپ نے پھر سر جھکایا چند لمحے توقف کیا پھر کہا الحمدللہ۔

چند خاص خاص مریدوں سے نہ رہا گیا ان سے ایک پوچھ ہی بیٹھا کہ حضرت یہ کیا بات ہوئی غم کی خبر سنی تو پھر الحمدللہ کہا اور جب خوشی کی خبر ملی تو بھی وہی الحمدللہ کی گردان کی آخر معاملہ کیا ہے۔ آپ نے تبسم فرمایا پھر کہا کہ جب مجھے یہ خبر ملی کہ سامان سے لدا پھندا جہاز ڈوب گیا ہے تو میں نے آنکھیں بند کرکے اپنے دل پر نگاہ ڈالی کہ میرے دل کو کتنا بڑا صدمہ پہنچا ہے مگر میں نے محسوس کیا کہ اس صدمے کا اور اس دل دوز خبر کا میرے دل پر کوئی اثر نہیں ہوا میرا دل مطمئن تھا چنانچہ میں نے الحمدللہ کہا۔



مساجد



مسجد میں اللہ کے ذکر وعبادت میں خلل ڈالنے والا سب سے بڑا ظالم ہے

قرآن پاک کے پہلے پارے [سورۂ بقرہ، آیت:۱۱۴]

﴿ ومن اظلم ممن منع مسجداللہ ان یذکر فیھا اسمہ..... ﴾

ترجمہ: ''جو شخص اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکے اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں''۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر ونماز سے روکنے کی جتنی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز اور حرام ہیں، ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے کہ کسی مسجد میں جانے سے یا تو وہاں نماز وتلاوت سے صاف طور پر روکا جائے، دوسر صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور وشغب کر کے یا مسجد کے قریب باجے گاجے بجا کر لوگوں کی نماز وذکر وغیرہ میں خلل ڈالے، یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے،

اسی طرح تیسری صورت یہ ہے کہ اوقاتِ نماز میں جب لوگ اپنی نوافل یا تسبیح وتلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت کرنے لگے تو یہ بھی نماز وتسبیح میں خلل ڈالنے کی ایک صورت ہے۔ اسی لیے فقہانے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ [معارف القرآن، جلدا، صفحہ ۲۴۲]

اس سے اندازہ لگائیں کہ دنیا کی باتوں کا شور مسجد میں کرنا کتنا سخت گناہ ہے۔ موبائل جس کا بجنا بھی اسی میں داخل ہے۔

نمازیوں کی توجہ ہٹانے والا سزا کا مستحق ہے

حکایت: ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نماز پڑھ رہے تھے، ایک شخص کوئی چیز لے کر آیا اور اس کو صف کے آگے ڈال کر خود نماز میں شریک ہوگیا (جیسا کہ آج کل عموما کیا جاتا ہے)۔ فاروق اعظمؓ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس کو سزا دی کہ تو نے نمازیوں کو تشویش میں ڈالا۔ [الاعتصام للشاطبیؒ]

اس سے معلوم ہوا کہ نمازیوں کی توجہ نماز سے ہٹانے والا کوئی بھی کام کرنا منع ہے۔

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے والوں کے لیے سخت وعید

حدیث: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ اپنی مسجدوں میں دنیا کی باتیں کریں گے، اس لیے تم ان کے پاس مت بیٹھنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی حاجت نہیں۔[مشکوۃ ،صفحہ ۷۱]

فائدہ: علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بے تعلق ہے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری سے نکل جاتے ہیں اور ورنہ اللہ تعالیٰ کو تو کسی کی بھی حاجت نہیں ہے۔غور کریں! اس میں کتنی بھاری دھمکی اور کیسی سخت وعید ہے، فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ دنیا کی باتیں مسجد میں مکروہ ہیں، اس سے نیکیاں جل جاتی ہیں۔

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لیے بیٹھنا ناجائز ہے

مسئلہ: جو دنیا کی باتیں مسجد سے باہر جائز ہیں وہ مسجد میں ناجائز ہیں اور جو باتیں مسجد سے باہر ناجائز ہیں وہ مسجد میں سخت حرام ہیں۔مثلاً غیبت کرنا، تہمت لگانا، وغیرہ۔اور''خزانۃ الفقہ''میں لکھا ہے کہ جو شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے چالیس دن کے عمل بے کار کر دیتا ہے۔[آداب المساجد، صفحہ ۳۸]

اپنی گمشدہ چیز کے لیے مسجد میں اعلان کرنے کی مذمت

حدیث: رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی کو اپنی گمشدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنے تو اعلان سننے والا یوں کہے: ''اللہ تعالیٰ تیری گمشدہ چیز تجھے نہ لوٹائے، اسلئے کہ مسجدیں ایسے اعلانوں کے واسطے نہیں بنائی گئیں''۔[مسلم شریف]

فائدہ: جب اتنے سے اعلان کی ممانعت ہے تو مستقل باتیں کرنے کے لیے بیٹھنا کتنا سخت گناہ ہوگا؟

حضرت عمرؓ کا مسجد سے باہر چبوترا بنانا

حدیث: حضرت عمرؓ نے مسجد کے باہر کنارہ پر ایک چبوترہ بنایا تھا اور اعلان کر دیا تھا کہ جو باتیں کرنا چاہے یا شعر پڑھنا چاہے یا آواز بلند کرنا چاہے وہ اس چبوترے پر چلا جائے۔[مؤطا امام مالکؒ]

مسجد کی عظمت ارشادِ خداوندی کی روشنی میں

حدیث: یہود کے ایک بہت بڑے عالم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بہتر جگہ کون سی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے دل میں طے کرلیا کہ جبرائیلؑ آئیں گے ان سے پوچھ کر جواب دوں گا۔ چناچہ حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہی سوال کیا تو جبرائیلؑ نے عرض کیا کہ اس کا جواب مجھے معلوم نہیں لیکن دربارِ خداوندی سے معلوم کر کے جواب دوں گا۔ چنانچہ وہ پوچھنے گئے اور واپس آکر یہ عرض کیا کہ اے محمد ﷺ! اس وقت مسئلہ پوچھنے برکت سے خدا تعالیٰ سے اتنی نزدیکی ہوئی کہ مجھے اتنی نزدیکی کبھی نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا، کتنی نزدیکی ہوئی؟ تو حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ستر ہزار نورانی پردے رہ گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بری جگہ بازار ہے، اور سب سے اچھی جگہ مسجد ہے۔ [مشکوۃ شریف، صفحہ ۷۱]

فائد: غور کرنا چاہیے کہ بازار اور مسجد میں کیا فرق ہے؟ مسجد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے، اور بازار میں دنیا کا ذکر ہوتا ہے۔ لہٰذا مسجد میں دنیا کا ذکر اس کو بازار بنا دیتا ہے۔ اور مسجد کو بازار بنا دینا یہی اس کی ویرانی ہے۔ [احکام المساجد، صفحہ ۱۴]

ایک عام غلطی کی اصلاح

ہر محلّہ میں مسجد بنانے کا حکم حدیث شریف کی روشنی میں:

حدیث: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے محلّہ محلّہ مسجد بنانے کا حکم فرمایا ہے اور ان کو پاک صاف رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ [ترمذی، ابوداوٗد، ابن ماجہ، مسند احمد]

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدیں زیادہ بنانا شرعاً مطلوب ہے، اس حکم نبوی کے مطابق اگر ہر محلّہ میں مسجدیں بن جائیں (خواہ سادہ ہوں) تو بارش، سخت گرمی اور سردی میں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا آسان ہوجائے، خصوصاً بوڑھے لوگوں کے لیے اور بیماروں کے لیے زیادہ سہولت ہوجائے گی۔ اس حدیث سے ان لوگوں کو غلطی بھی واضح ہوگئی، جو ایک گاؤں میں زیادہ مسجدیں بنانے کو اجتماعیت کے خلاف سمجھتے ہیں، اسلئے کہ ان کا یہ خیال ہے کہ حدیث بالا کے خلاف ہے۔ واللہ الموفق!

مناجات ابراہیم بن ادہمؒ

(۱)هجرك الخلق طرا فی هوا کا وائیتمت العیال لکی ارا کا

ترجمہ: ''میں نے آپ کی محبت میں تمام دنیا کو چھوڑ دیا، اور آپ کی زیارت کے اشتیاق میں اپنے عیال کو یتیم کیا''۔

(۲)ولو قطعتنی فی الحب اربا لماحن الفؤاد الی سوا کا

ترجمہ: ''اگر آپ رگِ محبت کاٹ دیں، تب بھی دل آپ ہی کی طرف مائل رہے گا''۔

(۳) تجاوز عن ضعیف قدانا کا وجآ ء راجیا یرجوا ندا کا

ترجمہ: ''جوضعیف آپ کے در پر آ گیا ہے اس کو معاف کیجئے اور جو آپ سے بخشش کی امید لگا کر آیا ہے اس کی تمنا پوری کیجئے''۔

(۴) وان یك مهیمن قد عصا کا فما سجدت لمعبود سوا کا

ترجمہ: ''اے غفار! اگرچہ میں آپ کی حکم عدولی کر چکا ہوں، مگر آپ کے سوا کسی کو سجدہ تو نہیں کیا''۔

(۵)الهی عبدك العاصی انا کا مقرا بالذنوب وقد دعا کا

ترجمہ: ''اے خداوند! آپ کا نافرمان بندہ آپ کی بارگاہ میں آیا ہے جس اپنے گناہوں کا اقرار ہے اور عفو کا خواستگار ہے''۔

(٦)وان تغفر فانت لذالك اهل وان تطردفمن یرحم سوا کا

ترجمہ: ''اگر آپ بخش دیں تو آپ کی شان یہی ہے اور اگر دھتکار دیں تو بتایئے کون آپ کے سوا رحم کر سکتا ہے؟''۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اقوال

☆ اہل وعیال کے ساتھ حد سے زیادہ محبت مت کرو کہ ضروری کاموں میں فتور آئے۔

☆ حق تعالیٰ کی رضا شیخ کی رضامندی سے وابستہ ہے۔

☆ سنت وبدعت دونوں پورے طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

☆ واسطے اور وسیلے جس قدر زیادہ ہوں اسی قدر راستہ نزدیک اور روشن ہوتا ہے۔

☆ محبت ذاتی فنا کی علامت ہے۔

☆ دنیا میں آرام کا خواہاں احمق اور عقل سے دور ہے۔

☆ تمام مخلوقات میں زیادہ محتاج انسان ہے۔

☆ علم ایک حقیقت ہے اور جہالت عدم علم۔

☆ کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ دل آزاری ہے خواہ مومن ہو یا کافر۔

☆ اس دشمن کا قابو میں لانا انتہائی مشکل ہے جو اطاعت کی راہ سے آئے۔

☆ ظاہر اصل میں باطن کا نمونہ ہوتا ہے۔

☆ کوئی جاہل ولی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

☆ تنہا پسندی یا گوشہ نشینی بے کار اشغال سے منہ موڑنے کا نام ہے۔

☆ دنیا کی مصیبتیں بظاہر زخم کی طرح تکلیف دہ ہیں لیکن اصل میں وہ ترقیوں کا باعث ہیں۔

☆ آخرت کا کام کر۔ دنیا کا کل پر چھوڑ دے۔

☆ بچوں پر پیار آنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانی ہے۔

☆ خدا کے دشمنوں سے محبت کرنا خدا کے ساتھ دشمنی ہے۔

☆ جس کے پاس بیوی، گھر، نوکر اور سواری ہو وہ بادشاہ ہے۔

☆ عمل کی سستی پر مغفرت کی امید ہے لیکن بداعتقادی پر نہیں۔

☆ اہل اللہ سے کرامت تلاش کر ورنہ ان کے وجود کو ہی کرامت جان۔

☆زندگی کی فرصت کم ہے اور ہمیشہ کا عذاب یا راحت اسی پر مرتب ہے۔
☆عورت کا نامحرم مرد سے ملائم گفتگو کرنا بھی بدکاری میں داخل ہے اور اس کا باریک کپڑے پہننا ننگی ہونے کے حکم میں ہے۔
☆متکبروں کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے۔
☆احسان ہر جگہ بہتر ہے لیکن ہمسائے کے ساتھ بہترین ہے۔
☆نیک بات دوستوں کو پہنچا دے اور مخالفین سے بحث نہ کر۔
☆دوست کے ناراض ہونے کے خیال سے سچی بات نہ کہنا حق دوستی کو پورا نہیں کرتا۔
☆اہل خانہ تمہاری رعیت ہیں اور تم ان کی نسبت پوچھے جاؤ گے۔
☆اپنی حاجت پر دوسروں کی حاجت کو مقدم رکھنا ہی حقیقی کرم ہے۔
☆ذکر سے مراد غفلت کو دور کرنا ہے۔
☆جس رب تعالیٰ نے زبان کو بولنے کی قوت عطا کی وہی قلب کو قوتِ ذکر عطا فرماتا ہے۔
☆گناہ کے بعد ندامت بھی توبہ کی شاخ ہے۔
☆دل آنکھ کے تابع ہے آنکھ کے بگڑ جانے کے بعد دل کی حفاظت مشکل ہے اور دل کے بگڑ جانے کے بعد شرم گاہ کی حفاظت مشکل تر ہے۔
☆اسلام غریبوں ہی میں ظاہر ہوا اور عنقریب غریبوں ہی میں رہ جائے گا۔
☆دولت مندی سے زیادہ کوئی چیز ایمان میں خلل انداز نہیں ہے ہمارا طریق صحبت ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے شہرت میں آفت ہے۔
☆کمزور پر حملہ کرنا بزدلی ہے اور ہم پلہ پر بد خلقی اور زبردست پر شوخ چشمی ہے۔
☆خدا کو خدا جاننا یہ ہے کہ شرک نہ کرے اور رسول ﷺ کو رسول سمجھنا یہ ہے کہ ان کے سوا کسی کی پیروی نہ کرے۔
☆نرم خو اور متواضع کے لیے جہنم حرام جس کو نرمی عطا ہوئی اس کو دنیا و آخرت عطا ہوئی۔
☆حق تعالیٰ کو حق تعالیٰ ہی سے پا سکتے ہیں نہ کہ تفکر و تخیل سے ضروری حاجتیں دنیا طلبی میں داخل نہیں ہیں۔

شہ بھی ہیں اس کے گدا یارو

وہ محبوبِ خدا یارو
رحمت کا دریا یارو
مجھ ناچیز سے کیا ہوگی
اس کی مدح و ثنا یارو
اس کا ہے مدح خدا
میں اور آپ ہیں کیا یارو
چاند کے دوٹکڑے کرنا
اس کی ایک ادا یارو
خاک پہ اس کے قدموں کی
کردوں جان فدا یارو
دل میں بسا ہے پیار اس کا
لب پہ ہے صل اعلی یارو
وہ سورج میں ذرہ ہوں
یوں ہے تعلق سا یارو
میں اس کا ناچیز غلام
وہ ہے میرا آقا یارو
میں ہوں فقیر اس کے در کا
فخر یہ کم ہے کیا یارو
میں شاہوں سے کیا مانگوں

منقبت حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ

از مولانا سہیل امروہوی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

اے کوکب درّیِ یمینی ویمانی — درعہد فتن بس تو امینی وامانی
اے برفلک عِلم توئی مہر معانی — نور توزع شست نہ زمینی نہ زمانی
اے سید ولائی و اے لولوئے لالا — اے انورؔ لاثانی و اے یوسف ثانی
درنسبت شہر تو الف خواندہ عدویت — اے کاش نہ میری صدسی سال بمانی
بقراط کجاہست وکجاہست فلاطون — تاریزہ، خوان چیدہ رود اوّل وثانی
ازسینۂ سینائے تو صدبو علی سینا — صد بارکند قبس تجلائے معانی

قـد فُـقـت بفضلٍ وعُلیٰ ثُمَّ بحلمٍ — مـا اَتُـلَـفـلـکَ الـلّٰه به اَیُدِی الحَدُ ثَانِی
کَشَّـفُـتَ مِـنَ الـکتٰـبِ وَاَجُـرَیتَ مَسَائل — یَـامُـقُـتَـحِـمَ الـمَـازِق ثـم الـمتَـدَانـی
لا مثل له الیومَ عَلی البَرِّ ولاالبحر — فِـی عِـلُـم کتـابٍ وحـدیـثٍ ومَعـانـی
فـی فـنّ طبیـبٍ وادیـبٍ وخـطیـبٍ — فِــی درس اصـولٍ وکـلامٍ ومبـانـی
وَالـلّٰـہ هُـو الـحِـبـرُ بفقةٍ وَحدیثٍ — لا رَیُـبَ امــام ببـدیـع وبیــانـی

لاکذبُ واللّٰہِ وتصنیفه شاهد — لا مِریة فی کونه سبَّاقُ زمانٖ

واللّٰہُ علی هٰذه الا قوالِ شَهیُد — مَنْ کَذَّبنی فیه سَفِیة کاذَانی

مِن قَسُورة السنة للاتن فرار — لاحشمة فی جَنب اُسودلاتانٖ

للدُّرة فی مزبلة الکفرِ نعیم — تهتزُّ بقذرٍ ورَضاءٍ بمکانٖ

یا ایتها الفرقَةُ یا فرقة اِبلیس — الاولُ هذا هُوا فاتوابه ثانی

یا طاغیة البدعة انی لَسُهَیُل — بالغیظ تموتون انا النجم یَمَانِی

مِنْ بخل رسولٍ هو من بخل رسولٖ — واللّٰہُ هو الوارث فی رفعه شان

یا صاحبَ اسرار حدیث رسولٖ — یا صاحب سرٍ کَحُذَیُفِ بن یمانٖ

صدہا دُرِ شہوار ہیں مضمون کی تہ میں — قلزم سے فزوں ہے تیرے دریا کی روانی
انجم سے سوا ہے تیرے الفاظ کی تنویر — غیرت دہ خورشید ہے لمعان معانی
پوشیدہ معانی میں ہزاروں درِ مکنوں — یہ بات تو مشکل ہے سمندر میں بھی پانی
گر ان کے تلامیذ کی کثرت میں گناؤں — بڑھ جائے گی پھر طولِ امل سے یہ کہانی
پھر بھی وہ یہ کہتے ہیں کہ من ''ہیچ ندانم'' — یہ کسر طبیعت میں ہے باایں ہمہ دانی

فالحمد لذاتٍ هو اهل لماحامد



خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء کے اہل وعیال

☆......حضرت فاطمہ کے شوہر نامدار حضرت علی حیدر کرارؓ

حضرت سیدہ فاطمہ کے شوہر نامدار حضرت علی المرتضیٰ ہیں آپ حضور ﷺ کے چچا خواجہ ابوطالب کے صاحبزادے ہیں آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد تھیں ماں باپ کی جانب سے آپ ہاشمی ہیں آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی اور آپ کا بچپن حضور ﷺ کے گھر اور آپ کے ہی آغوش محبت میں گزرا اور آپ نے ان کے ساتھ اپنے بچوں جیسا معاملہ فرمایا اور پھر آپ کو اپنی دامادی کا شرف بھی دیا۔

حضور ﷺ نے جب دعویٰ نبوت فرمایا اس وقت آپ کی عمر نو دس سال تھی (طبقات ج ۳ص ۱۵) چنانچہ آپ کو بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ خواجہ ابوطالب کے رعب و دبدبہ اور حضرت علیؓ کے بچپنے کی وجہ سے آپ کو ان شدائد کا سامنا نہ کرنا پڑا جس سے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ دوچار ہوئے تھے۔

حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو آپ کو اپنے بستر پر سونے کے لیے فرمایا اور آپ جان کی پروا کیے بغیر بے خوف وخطر وہاں سوگئے آپ نے حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق امانتیں ان کے حقداروں تک پہنچائیں اور پھر مدینہ منورہ ہجرت کر آئے آپ نے اسلام کی سربلندی کے لیے حضور ﷺ کے شانہ بشانہ تمام غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہر میدان میں دادشجاعت دیتے رہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی جرأت عطا فرمائی تھی۔

آپ کفار کی صفوں میں گھس جاتے اور بڑی جوانمردی سے لڑتے تھے۔ حضور ﷺ نے کئی

موقعوں پر ان کے ہاتھ جھنڈا عطا فرمایا میدان بدر میں بھی جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا (طبقات ج ۳ ص ۱۶) حضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو غزوۂ بدر کے موقع پر اپنے اہل خانہ کی تیمارداری کے لیے پیچھے چھوڑا تھا اور ان کے لیے اجر و ثواب ملنے کی بشارت دی تھی اسی طرح حضرت علی کو غزوۂ تبوک کے وقت اپنے اہل خانہ کی حفاظت پر مامور کیا تھا اور وہ اس غزوہ میں شریک نہ ہو پائے تھے (طبقات ج ۳ ص ۱۷)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل میں بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا آپ شہر علم کا دروازہ تھے۔ آپ نے حضور ﷺ سے بہت سی حدیثیں روایت کیں آپ سے روایت کرنے والوں میں جلیل القدر صحابہ کرام ہیں۔ حضور ﷺ نے آپ کے لیے خصوصی دعا فرمائی تھی۔ حضور ﷺ کی دعا کی برکت سے اللہ نے آپ کا سینہ کھول دیا اور آپ سب سے زیادہ قضاء کا علم رکھنے والے ہوئے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں آپ کو قاضی بنایا تھا صحابہ کرام میں جو لوگ اعلی درجہ کے فصیح اور خطیب مانے گئے آپ ان میں سے ایک ہیں۔ حضور ﷺ حضرت علیؓ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ آپ نے ان کے بہت سے مناقب و فضائل بیان فرمائے اور انہیں دنیا و آخرت میں اپنا بھائی فرمایا (جامع ترمذی)

اور غایت محبت میں آپ کو ابوتراب کہا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اس کا بھی مولیٰ ہے آپ نے اللہ کے حضور دعا فرمائی کہ اللہ اس سے محبت کو جو علی سے محبت کرے اور اس کو ناپسند رکھ جو علی سے بغض رکھے آپ نے یہاں تک فرمایا کہ جس نے فاطمہ اور علی سے محبت رکھی وہ قیامت میں میرے ساتھ ہوگا آپ نے فرمایا کہ حضرت علی سے مؤمن محبت رکھیں گے اور منافق ان سے بغض رکھیں۔ (صحیح مسلم)

آپ نے فرمایا کہ تم مجھ سے اس درجہ میں ہو جو ہارون کا موسیٰؑ سے تھا سوائے اس بات کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں (متفق علیہ)

حضرت علی مرتضیٰ زہد و تقویٰ میں بھی اپنی مثال آپ تھے آپ سب سے زیادہ خوف خدا

رکھنے والے تھے اور اللہ کی ذات میں غرق انسان تھے اور اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری آپ کا شیوہ تھی۔
حافظ ابونعیم فرماتے ہیں کہ آپ اللہ کی ذات کے عالم تھے اور آپ کی قلب میں ذات باری کا عرفان موجزن تھا (حلیۃ الاولیاء ج ا ص ۱۰۹)

آپ کے پاس جو کچھ آتا آپ اسے راہِ خدا میں خیرات کردیتے آپ کے در سے کوئی بھی خالی ہاتھ نہ لوٹا آپ دنیا اور اس کی آرائشوں سے کوسوں دور تھے۔ شب بیدار تھے ہمیشہ اپنے نفس کا محاسبہ فرماتے تھے آپ بہت رقیق القلب تھے اور رات کی تنہائیوں میں خوف خدا سے رویا کرتے تھے آپ کے دل میں مساکین سے بہت محبت تھی۔ آپ دنیا کو مخاطب کرکے کہتے کہ میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں تیری عمر کم ہے۔

حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر مسند خلافت پر آئے تو حضرت علی مرتضیٰ نے آپ کی بیعت فرمائی اور آپ کے ساتھ ساتھ رہے ان کے دل میں حضرت ابوبکر کے لیے بڑا احترام تھا آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کوئی حدیث روایت کرتے تو اس طرح فرماتے حدثنی ابوبکر وصدق ابوبکر (مشکوۃ) حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو آپ ان کی مجلس شوریٰ کی ممتاز رکن ہوئے۔ حضرت عمر نے آپ کو قاضی بنایا تھا آپ نے حضرت عمر کو اپنا داماد بھی بنایا حضرت عثمان غنی کے دور خلافت میں بھی آپ ان کی نصرت وحمایت فرماتے رہے اور اپنے بچوں کو ان کی حفاظت پر مامور کر رکھا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہوئے آپ کی خلافت چار سال نو مہینے کے قریب رہی۔

حافظ ابونعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"آپ کے قوم کے سردار اللہ سے محبت رکھنے والے اور اللہ کے محبوب اور شہر علم کا دروازہ بہترین واعظ اشارات کا استنباط کرنے والے مجتہدین کے سرتاج اطاعت کرنے والوں کے نور، متقین کے والی، امام العادین اسلام قبول کرنے میں آگے فیصلہ کرنے میں انصاف کا دامن تھامنے والے، بڑے حلم والے اور بھرپور علم والے آپ، متقین کے پیشوا عارفین کی زینت، توحید کے حقائق سے پردہ اٹھانے والے اور اس کی راہ کی طرف لے جانے والے، سمجھدار دل والے، عاقل اور لسان سائل کے حامل عہد کا ایفاء کرنے والے فتنوں کی جڑ کاٹ دینے والے ہر آزمائش میں کامیاب ہونے والے

اور دشمنان دین کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے اور ان کا تباہ و برباد کرنے والے شخص تھے۔ اللہ کے دین کے معاملہ میں خوف رکھنے والے اور اللہ کی ذات میں فنا ہو جانے والے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ا ص ۱۰۰)

امام شمس الدین ذہبی (۷۴۸ھ) آپ کا تعارف اس طرح کرتے ہیں:

آپ کا نام نامی علی اور کنیت ابوالحسن ہے آپ ہاشمی النسب ہیں امت کے قاضی اسلام کے شہسوار اور حضور اکرم ﷺ کے داماد ہونے کا شرف بھی آپ کو حاصل تھا آپ نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی اور اس میں ذرا بھی تردد نہ کیا جہاد کا وقت آیا تو اللہ کے راستہ میں جہاد کا پورا پورا حق ادا کیا اور یوں علم و عمل کی ذمہ داریوں کو بطریق احسن نبھایا۔

حضور ﷺ نے آپ کے حق میں جنت کی شہادت دی اور فرمایا جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے نیز فرمایا علی میرے ہاں تمہارا وہ مقام ہے جو موسیٰ علیہ اسلام کے نزدیک ہارون علیہ اسلام کا تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا یہ بھی فرمایا مؤمن تم سے محبت اور منافق تم سے بغض رکھیں گے۔

حضرت علیؓ کے بے شمار فضائل ہیں جسے میں نے ایک الگ کتاب میں لکھے ہیں۔ آپ علم میں امامت کے مرتبہ پر فائز تھے اور اخذ حدیث میں اس قدر محتاط تھے کہ حدیث بیان کرنے والے سے پہلے حلفیہ بیان لیتے تھے...... امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے رمضان ۴۰ھ میں جام شہادت نوش فرمایا اس وقت آپکی عمر ۶۰ سال یا اس سے ایک سال کم یا زیادہ تھی (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۳)

آپ نے حضرت فاطمہ کی حیات میں دوسری شادی نہیں کی ان کے انتقال کے بعد آپ نے کئی شادیاں کیں اور ان سے کئی اولادیں بھی ہوئیں۔ حضرت امام حسین کے ساتھ کے تین سوتیلے بھائی ابوبکر عمر عثمان بھی کربلاء میں شہید ہوئے تھے۔

آپ کے دورِ خلافت میں خارجیوں نے آپ کے خلاف سازش کی اور آپ کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ تیار کیا۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے اپنے سر پہ ذمہ داری لی ایک دن حضرت علی مرتضیٰ نماز فجر کے لیے تشریف لائے تو ابن ملجم نے اس زور سے تلوار آپ پر ماری جو آپ کی پیشانی کو چیرتی

ہوئی دماغ تک جا پہنچی اس حملہ میں ابن ملجم کے ساتھ شبیب اشجعی بھی تھا ابن ملجم گرفتار ہوا۔ حضرت علی سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو گرفتار رکھو میں زندہ رہا تو خود ہی فیصلہ کرونگا اگر میں شہید ہوگیا تو اسے بھی قتل کردینا اس حملہ تین دن بعد ۱۹ رمضان ۴۰ ہجری کو حضرت علی مرتضٰی خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن جعفر نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت حسنؓ آپ کی نمازِ جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھائی اور کوفہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی (طبقات ج۳ص۲۷)

ان الحسنؓ بن علیؓ صلی علیؓ بن ابی طالب فکبر علیه اربع تکبیرات ودفن علی بولکوفه عند مسجدالجماعة فی الرحبة مما یلی ابواب کنده (طبقات ج۳ص۲۷)

تاہم آپ کی قبر بعض وجوہات کی بناء پر گمنا کردی گئی وقد عمی دفنه (معرفۃ الصحابۃ ج۱ص۱۰۰) اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہوں اور آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے آمین!

☆......حضرت سیدہ فاطمہؓ کی اولاد امجاد

حضرت فاطمہ سے حضرت علی المرتضٰی کی چار اولادیں معروف ومشہور ہیں۔ (۱) حضرت حسن (۲) حضرت حسین (۳) حضرت زینب (۴) ام کلثوم۔ رضی اللہ عنہم

حافظ ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

فولدت له الحسن والحسین وام کلثوم وزینب (استیعاب ج۴ص۳۷۴)

وولدت فاطمة لعلی الحسن والحسین وام کلثوم وزینب بنی علی (طبقات ج۸ص۲۲)

محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ حضرت فاطمہ کے ہاں ایک اور بیٹا بھی ہوا تھا جو بچپنے میں فوت ہوگیا اس کا نام محسن تھا۔

فولدت فاطمة لعلی حسنا وحسینا ومحسنا فذهب محسن صغیرا وولدت له ام کلثوم وزینب (دلائل النبوۃ ج۳ص۱۶۱)

امام شمس الدین ذہبی نے بھی جناب محسن کا ذکر کیا ہے (سیر اعلام النبلاء ج۲ص۱۱۹)

خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ

مِلّیّہ

فیصل آباد پاکستان

کے گذشتہ شمارے

آن لائن پڑھیے

1430 H -2008

1431 H - 2009

1432 H - 2010

1433 H - 2011

1434 H - 2012

1434 H - 2013

1435H - 2014

انٹرنیٹ ایڈریس

www.milliafsd.com